جلد اول

جواہر شریعت

مجموعۂ رسائل

مؤلف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

جواہر شریعت

مجموعہ رسائل

جلد اوّل

مؤلف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی ومہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم بنگلور

مکتبہ مسیح الامت دیوبند و بنگلور

نام کتاب : جواہر شریعت جلد اوّل

مؤلف : حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

بانی ومہتمم الجامعۃ الاسلامیۃ مسیح العلوم، بنگلور

وخلیفہ حضرت اقدس شاہ مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم مظاہر علوم وقف سہارنپور

صفحات : ۵۲۳

تاریخ طباعت: رجب المرجب ۱۴۳۸ھ

ناشر : مکتبہ مسیح الامت دیوبند وبنگلور

موبائل نمبر : 9036701512 / 09634830797

ای۔میل : maktabahmaseehulummat@gmail.com

جواہرِ شریعت (جلدِ اول)
پر ایک اجمالی نظر

- ☆ لیلۃ القدر اور عید الفطر
- ☆ انحطاط و پریشانیوں کے اسباب اور راہِ عمل
- ☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی - حقائق و اسرار
- ☆ فقہِ اسلامی اور غیر مقلدین
- ☆ احکامِ عید الاضحیٰ و قربانی
- ☆ سفرِ آخرت کے اسلامی احکام
- ☆ قیامت کی نشانی، حدیث کی زبانی

فَهرَس

عناوین	صفحہ
لیلۃ القدر اور عید الفطر	

انحطاط و پریشانیوں کے اسباب اور راہِ عمل

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی- حقائق واسرار

فقہِ اسلامی اور غیر مقلدین

احکامِ عیدالاضحیٰ وقربانی

قیامت کی نشانی، حدیث کی زبانی

مُقَدِّمَة

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقَدِّمَہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ، اَمَّا بَعْدُ: اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل وکرم سے اور اپنے مشائخِ کرام واساتذۂ عظام کی توجہات سے، بالخصوص حضرت اقدس مرشدی مسیح الامت: مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی علیہ الرحمہ، حضرت اقدس مرشدی مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی صاحب علیہ الرحمہ، حضرت اقدس فقیہ الاسلام: مولانا مفتی مظفر حسین صاحب سہارنپوری علیہ الرحمہ کی برکات سے راقم الحروف کے قلم سے متعدد کتب ورسائل اور مضامین ومقالات مختلف حالات میں وقتاً فوقتاً لکھے گئے تھے اور اپنے وقت پر شائع بھی ہوتے رہے؛ کتب ورسائل تو کتابی صورت میں اور مضامین ومقالات بعض جرائد وماہناموں یا اخبارات میں۔ جو شائع ہوئے ان میں سے اکثر کتب ورسائل کی اشاعت کی ذمے داری رفیق محترم حافظ محمد شرف الدین صاحب (مدرس شعبۂ حفظ جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم) اُٹھاتے رہے اور تقریباً پچیس سے زائد رسائل انھوں نے اپنی محنت وکوشش سے طبع کیے؛ لیکن ان میں سے بعض ایک ہی مرتبہ شائع ہوکر ختم ہوگئے اور بعض دو یا تین چار دفعہ چھپ کر ختم ہوگئے، نیز بعض ایسے بھی مضامین تھے، جو اب تک کسی صورت میں بھی شائع نہ ہوسکے تھے۔

بعض احباب و دوستوں کی خواہش و اصرار ہوا کہ ان رسائل و مضامین و مقالات کو جمع کر دیا جائے اور حسبِ عناوین ان کو ترتیب دے دیا جائے، تو یہ سب محفوظ بھی ہو جائیں گے اور لوگوں کے لیے استفادہ بھی آسان ہو جائے گا، میرے ان احباب میں بالخصوص عزیزی مولانا محمد زبیر احمد حفظہ اللہ (مدرس جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم) اپنی طالبِ علمی کے دور ہی سے ان کو جمع کرنے اور ان کی ترتیب دینے کا شوق و جذبہ رکھتے تھے، جب انھوں نے اپنے اس جذبے کا اظہار کیا، تو احقر نے ان کو اجازت دے دی اور ان مضامین کی تین قسمیں بنا کر تین مجموعے بنانے کا خیال کیا گیا ہے:
ایک تو میرے شائع شدہ کتب و رسائل کا مجموعہ، دوسرے فقہی و علمی مقالات کا مجموعہ اور تیسرے ان مضامین کا مجموعہ جو مختلف النوع اصلاحی و تربیتی، ملی و ملکی، تاریخی و سوانحی اور تردیدی و تنقیدی وغیرہ عنوانات پر مشتمل اخبارات و جرائد میں شائع ہوئے ہیں۔

زیر نظر مجموعہ پہلی ترتیب ہے، جس میں میرے شائع شدہ رسائل جمع ہیں۔ جو مختلف اصلاحی عنوانات پر حسبِ ضرورت و تقاضائے وقت لکھے گئے تھے، البتہ ان میں سے جو ضخیم ہیں اور وہ با قاعدہ کسی کتب خانے سے طبع بھی ہو رہے ہیں، ان کو اس میں شامل نہیں کیا گیا۔

عزیز گرامی مولانا زبیر احمد سلمہ نے محنت سے ان کو جمع بھی کیا اور پھر ان کی ترتیب کا کام بھی نہایت سلیقے سے انجام دیا؛ نیز آیات کے حوالے اور ان پر اعراب اور احادیث کے حوالجات کی تحقیق، کتابت کی اغلاط سازی و تصحیح وغیرہ امور کی نگہداشت میں نہایت عرق ریزی سے کام کیا اور اس سلسلے میں میرے دوسرے عزیز مولانا محمد یاسین حفظہ اللہ (مدرس جامعہ مسیح العلوم) نے بھی ان کا بھر پور تعاون کیا اور اصل سے ٹیپ شدہ مواد کو ملانے اور ان کی اغلاط سازی میں نہایت مستعدی کے ساتھ لگے رہے۔

اس موقع پر میرے ان عزیزان کا شکریہ ادا نہ کرنا ناسپاسی ہوگی، جن کی لگاتار

محنت وتوجہ کے نتیجے میں میری یہ کاوشیں منظرِ عام پر آئیں اور لوگوں کے لیے ان سے استفادے کا راستہ آسان ہوا؛ ایک مصنف کی یہی سب سے بڑی خواہش وتمنا ہوتی ہے کہ اس کی لکھی ہوئی کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں وہ دیکھے اور لوگ اس سے استفادہ کریں؛ تاکہ لکھنے کا مقصد پورا ہو۔ ان حضرات نے میری اس خواہش کی تکمیل میں سعی کی ہے، اللہ ان دونوں کو اپنے شایانِ شان جزا و بدلہ عطا فرمائے اور ان کو دینی، علمی وعملی لحاظ سے بھی اور دنیوی وظاہری اعتبار سے بھی خوب ترقیات سے نوازے۔ آمین

اس موقع پر میرے ایک اور کرم فرما عزیز القدر جناب مولانا آصف اقبال صاحب عمری (مدرس جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم) کا ذکر نہ کرنا نہایت ناسپاسی کی بات ہوگی، جنھوں نے وقتاً فوقتاً ان مضامین کو جمع کرنے اور کبھی ان کو کمپیوٹر سے ٹیپ کرنے کی خدمت بھی انجام دی اور ان مضامین کی حفاظت کا کام بھی فرمایا، میں ان کے حق میں بھی دعا گو ہوں کہ اللہ ان کی خدمات کو شرفِ قبول بخشے اور انھیں علمی وعملی کمال سے سرفراز فرمائے۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حقیر خدمت کو شرف قبول عطا کرے اور میرے لیے اس کو ذخیرۂ نجات بنائے اور استفادہ کرنے والے حضرات سے گزارش ہے کہ وہ میرے حق میں، میرے والدین کے حق میں اور میرے اساتذہ ومشائخ کے حق میں دعائے خیر فرماتے رہیں۔ فقط

۱۷/محرم/۱۴۲۷ ہجری — محمد شعیب اللہ خان

۶/فروری/۲۰۰۷ عیسوی — (مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

لیلۃ القدر

اور

عید الفطر

بسم اللہ

حرف آغاز

زیرِ نظر رسالہ میرے چند مضامین کا مجموعہ ہے، جو ”لیلۃ القدر اور عید الفطر“ سے متعلق مختلف اوقات میں اخبارات کے لیے لکھے گئے تھے۔

روزناموں کی زندگی جیسا کہ مشہور بھی ہے اور معلوم بھی، ایک دن کی ہوتی ہے، اس کے بعد ان میں آئے ہوئے مضامین کی کوئی حیثیت نہیں رہتی الا ماشاء اللہ اس لیے خیال ہوا کہ ان مضامین کو یک جا کر دیا جائے؛ تا کہ ان سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہے اور کاتب مضامین کے لیے صدقۂ جاریہ بنیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی شرف قبول عطا فرمائے اور بندے کے لیے صدقۂ جاریہ بنائے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان مفتاحی

مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لیلۃ القدر-اس کی حقیقت اورخصوصیات

لیلۃ القدر کی فضیلت وعظمت پر قرآن پاک واحادیث شریفہ، آثار صحابہ واقوال علماوصوفیا سب کے سب متفق ویک زباں ہیں اور تمام کے تمام اہل اسلام بھی ہر دور میں اس کی عظمت وبزرگی کے قائل رہے ہیں، قرآن پاک میں تو ایک مستقل سورت ''لیلۃ القدر'' کے عنوان سے موجود ہے، جس میں حق تعالی شانہ نے لیلۃ القدر کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

﴿إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ. وَمَا أَدْرٰكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ. لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ. تَنَزَّلُ الْمَلٰئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ. سَلَامٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ.﴾ (القدر :٣٠)

(ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ''لیلۃ القدر'' میں اور آپ کو کچھ خبر ہے کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے؟ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینوں سے افضل ہے، اس (رات) میں فرشتے اور روح (جبرئیل) اپنے رب کے حکم سے اترتے ہیں ہر کام پر، سلامتی ہے یہ رات صبح کے نکلنے تک۔

اس میں لیلۃ القدر کے متعلق چار باتوں کا ذکر ہے:

(۱) یہ کہ اس رات قرآن نازل ہوا۔

(۲) یہ کہ یہ رات ہزار مہینوں سے افضل ہے۔

(۳) یہ کہ اس رات اللہ کے فرشتے مع جبرئیل کے ہر کام کے ساتھ نازل

ہوتے ہیں۔

(۴) یہ کہ یہ رات صبح نکلنے تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔

احادیث بھی اس کی فضیلت میں متعدد آئی ہیں نیز حضرات صحابہ وعلما اور صوفیا کے اقوال بھی۔

لیلۃ القدر امتِ محمدیہ کے لیے مخصوص عطیہ ہے

حضرات مفسرین نے ﴿ سورۃ القدر ﴾ کی شانِ نزول میں متعدد روایات نقل کی ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر کا یہ عطیہ امت محمدیہ کے ساتھ مخصوص ہے، کسی اور امت کو اس سے مشرف نہیں کیا گیا۔

(۱) ابن ابی حاتم نے حضرت علی وعروۃ رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن بنی اسرائیل کے بزرگوں کا ذکر کیا، جنھوں نے اسّی برس تک اللہ کی اس طرح عبادت کی، کہ پلک جھپکنے کے برابر بھی کوئی گناہ نہیں کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں کا نام بتایا کہ وہ حضرت ایوب، حضرت زکریا، حضرت حزقیل بن العجوز اور حضرت یوشع بن نون علیہم السلام تھے، اس پر حضرات صحابہ کو تعجب ہوا، اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی امت ان افراد کی عبادت پر تعجب کر رہی ہے، کہ انھوں نے اَسّی برس عبادت کی، اللہ تعالی نے آپ پر اس سے بھی بہتر چیز نازل کی ہے، پھر سورہ ﴿إِنَّا أَنزَلْنَهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴾ پڑھی، پھر فرمایا کہ یہ لیلۃ القدر اس سے افضل ہے، جس پر آپ نے اور آپ کی امت نے تعجب کیا تھا۔ یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے۔ (۱)

(۱) الدر المنثور: ۸/۵۶۸، روح المعاني: ۳۰/۲۲۲، القرطبی: ۲۰/۱۳۲

(۲) ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت مجاہد سے روایت کی ہے، کہ ایک دفعہ اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا، جس نے ایک ہزار ماہ تک اللہ کے راستے میں ہتھیار باندھے رکھا (یعنی برابر اَسّی برس جہاد میں لگا رہا) اس پر مسلمانوں کو تعجب بھی ہوا اور اس کے مقابلہ میں اپنے اعمال حقیر معلوم ہوئے، تو اللہ نے سورۂ قدر نازل فرمائی۔ (۱)

امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ نے قابل اعتماد اہل علم سے روایت کی ہے، کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو پچھلی امتوں کی عمریں بتائی گئیں (کہ بہت لمبی لمبی ہوتی تھیں)، یہ دیکھ کر آپ کو اندیشہ ہوا کہ پچھلی امتیں طول عمر کی وجہ سے جو بہت سارے عمل کر سکی ہیں، میری امت اتنے عمل (عمر کم ہونے کی وجہ سے) نہ کر سکے گی، تو اس پر اللہ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی اور اس کو ایک ہزار ماہ سے بہتر قرار دیا۔ (۲)

اس سلسلے میں اور بھی روایات آئی ہیں؛ مگر یہ چند بھی کافی ہیں، ان روایات میں بظاہر تعارض محسوس ہوتا ہے، مگر حقیقت میں کوئی تعارض نہیں؛ کیوں کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ ایسے کئی واقعات کے بعد سورۂ قدر نازل ہوئی اور ہر ایک سے اس کا تعلق ہو، اسی لیے مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک آیت یا ایک ﴿سُوْرَۃُ الْقَدْرِ﴾ کے متعدد شان نزول ہو سکتے ہیں۔

غرض معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر ایک خاص عطیہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عطا فرمایا ہے۔

لیلۃ القدر کے عطیہ کا مقصد؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے اور یہ سوال بالکل فطری بھی ہے کہ اس امت کو خصوصیت کے

---

(۱) تفسیر مجاهد:۲/۷۷۴، الدر المنثور:۸/۵۶۸، وغیره.

(۲) المؤطا للإمام مالک:۹۹

ساتھ یہ عظیم و بابرکت عطیہ (لیلۃ القدر) کس مقصد سے دیا گیا ہے؟

اس کا جواب اوپر ذکر کی گئی روایات سے اجمالاً یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس عطیۂ خداوندی سے مقصود یہ ہے کہ امتِ محمدیہ اس رات محض اللہ کی عبادت واطاعت میں لگی رہے اور ایک رات کے اس عمل سے پچھلی اُمتوں کے ان حضرات کا ثواب حاصل کرلے، جنھوں نے اسّی اسّی برس اللہ کی عبادت واطاعت میں زندگی بسر کی ہے۔

اور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ترغیبات وتلقینات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کہ اس رات اللہ کی عبادت میں اشغال وانہماک ہونا چاہیے۔ چناں چہ اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ:

«من قام رمضان إيماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من ذنبه.» (۱)

(جس نے لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کیا (یعنی عبادت کیا) اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔)

اس حدیث سے لیلۃ القدر میں عبادت واطاعت کی طرف رغبت دلائی گئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ رغبت اسی لیے دلائی جاتی ہے کہ یہ کام اس موقع پر کرنے کا ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ عبادت واطاعت کی رات ہے، اس کے علاوہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے پوچھا کہ اگر میں لیلۃ القدر کو پاؤں تو اس میں کیا کہوں؟ فرمایا کہ یہ دعا کرو:

«اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا.» (۲)

(اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، لہذا ہم کو معاف فرما۔)

---

(۱) البخاري:۳۴، مسلم:۱۲۶۸، الترمذي:۶۱۹، النسائي:۲۱۷۳، أبو داود:۱۱۶۵، أحمد:۶۹۷۹

(۲) الترمذي:۳۴۳۵، ابن ماجه:۳۸۴۰، أحمد:۲۴۲۱۵

اس سے یہ معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر میں ایک کام اللہ سے دعا مانگنا بھی ہے، جس میں عاجزی وانکساری، انابت وتوجہ الی اللہ کے عناصر شامل ہوں، ان مقاصد کے لیے ہمیں لیلۃ القدر عطا فرمائی گئی ہے۔

قدر کے تین معنے

لیلۃ القدر کو لیلۃ القدر کیوں کہتے ہیں؟ علما نے اس کی تین وجوہات بیان کی ہیں، اور یہ تین وجوہ دراصل قدر کے تین معانی کے اعتبار سے پیدا ہو گئے ہیں۔

قدر کے عربی میں تین معانی بیان ہوئے ہیں (۱) عظمت: جیسے کہا کرتے ہیں کہ باپ کی قدر کرو یعنی اس کی عزت وعظمت کرو (۲) تقدیر (۳) تنگی: جیسے قرآن میں فرمایا ﴿مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ﴾ (جس کا رزق تنگ کر دیا گیا)۔

ان تین معانی کے لحاظ سے لیلۃ القدر کے بھی تین معنی ہو گئے اور پھر ہر معنی پر اس کی مختلف توجیہات بھی فرمائی گئی ہیں اور ابن الجوزی نے پانچ معنے بیان کیے ہیں، مگر وہ ان ہی تین میں منضم ہو جاتے ہیں۔ (۱)

لیلۃ القدر کی پہلی توجیہ

چناں چہ قدر کے پہلے معنی عظمت وعزت کے ہیں، اس لحاظ سے لیلۃ القدر کے معنی عزت وعظمت والی رات کے ہوئے، اب رہا یہ سوال کہ اس کو عزت وعظمت والی رات کیوں کہا گیا؟ بعض علما فرماتے ہیں کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قابل قدر کلام، حضرت جبریل جیسے قابل قدر فرشتے کے ذریعے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے قابل قدر رسول پر نازل فرمایا تھا؛ لہذا اس کو قدر وعزت والی رات کہا۔

---

(۱) زاد المسیر: ۱۸۲/۹

بعض نے فرمایا کہ اس رات اللہ کے جلیل القدر ورفیع القدر فرشتے دنیا میں نازل ہوتے ہیں؛ اس لیے اس کو قدر والی رات کہا گیا، بعض نے یہ توجیہ کی، کہ چوں کہ اس میں اللہ کی طرف سے رحمت و برکت و مغفرت جیسی جلیل القدر روحانی نعمتیں نازل ہوتی ہیں؛ اس لیے اس کو لیلۃ القدر فرمایا گیا ہے، اس بارے میں ایک تاویل یہ ہے کہ جو شخص اللہ کی عبادت کے ذریعے اس رات شب بیداری کرتا ہے، وہ قابل قدر ولائق عظمت وعزت ہو جاتا ہے؛ لہذا اس رات کو قدر والی رات سے موسوم کیا گیا۔(۱)

قدر کے دوسرے معنی اور اس کی توجیہ

قدر کے دوسرے معنی تقدیر کے ہیں اور اس معنی کے اعتبار سے لیلۃ القدر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس رات میں اللہ کی طرف سے بندوں کے فیصلے ہوتے ہیں اور ان فیصلوں کا اظہار فرشتوں پر کیا جاتا ہے، ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباری" میں لکھا ہے کہ یہ بات صحیح سندوں کے ساتھ حضرت مجاہد، عکرمہ، قتادہ وغیرہ سے عبدالرزاق رحمہم اللہ وغیرہ مفسرین نے روایت کی ہے۔(۲)

علامہ نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ علما نے کہا کہ لیلۃ القدر اس رات کو اس لیے کہا گیا کہ اس رات میں ملائکہ کے لیے یہ لکھ کر دے دیا جاتا ہے کہ (انسانوں کا) رزق، عمر، وغیرہ کیا اور کتنی ہے؟ جو اس سال میں مقدر ومقرر ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ (الدخان: ۴) (اس رات میں تمام بڑے امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔) نیز (سورۃ القدر) میں فرمایا کہ اس رات فرشتے

---

(۱) فتح الباري: ۴/۲۵۵

(۲) فتح الباري: ۴/۲۵۵

جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَام کے ساتھ اترتے ہیں، ہر امر کو یعنی فیصلہ کو لے کر اور فیصلہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ فیصلوں کا اظہار فرشتوں کے سامنے کیا جاتا ہے اور ان کو حکم دیا جاتا ہے کہ اپنی ڈیوٹی و وظیفہ انجام دیتے رہیں۔(۱)

قدر کے تیسرے معنے کی توجیہ

قدر کے تیسرے معنی ہیں تنگی، اس لحاظ سے لیلۃ القدر کو تنگی کی رات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار فرشتے اس رات زمین پر اُترتے ہیں اور فرشتوں کی کثرت کے نتیجے میں اس رات زمین تنگ ہو جاتی ہے؛ اس لیے اس رات کو لیلۃ القدر یعنی تنگی کی رات کہا گیا، یا اس لیے اس کو تنگی کی رات کہا گیا کہ لیلۃ القدر کو مخفی کر دینے کی وجہ سے لوگوں پر کچھ دقت اور تنگی محسوس ہوتی ہے۔(واللہ اعلم)

لیلۃ القدر کب آتی ہے؟

یہ عظیم و مبارک رات کب آتی ہے؟ اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی رَحِمَہُ اللّٰہ نے "فتح الباري" میں اس بارے میں چھیالیس (۴۶) اقوال اور ان کے دلائل کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے، جمہور علما نے اس سلسلے میں جو فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے اور اس میں بھی طاق راتوں میں ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

چناں چہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

« فلتمسوھافی العشر الاواخر. »(۲)

(لیلۃ القدر کو رمضان کے اخیر عشرہ میں تلاش کرو۔)

---

(۱) شرح مسلم:۱/۳۶۹

(۲) البخاري:۱۸۷۸، مسلم:۱۹۹۸، الترمذي:۷۲۳، أحمد:۲۳۱۵۷

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

《 تحروا ليلة القدر من العشر الأواخر من رمضان. 》

(جو لیلۃ القدر کو تلاش کرنا چاہے، وہ اس کو آخری دس (راتوں) میں تلاش کرے۔)(۱)

ان کے علاوہ اور بھی متعدد صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ رمضان میں آتی ہے؛ نیز یہ بھی وارد ہوا ہے کہ آخری عشرے میں بھی وتر یعنی طاق راتوں میں زیادہ امکان ہے۔ چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

《 تحروا ليلة القدر في الوتر من العشر الأواخر من رمضان. 》

(حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اخیر عشرہ میں سے طاق راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔)(۲)

پھر بعض روایات میں ستائیس رمضان کی شب میں لیلۃ القدر ہونے کا ذکر بھی آیا ہے۔ چناں چہ "ابو داؤد" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قول کو نقل کیا ہے۔(۳)

اسی طرح بعض صحابہ سے بھی مروی ہے، چناں چہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ جانتے ہیں، کہ لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے اور رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے اور یہ کہ وہ ستائیسویں رات میں ہوتی ہے، پھر خود قسم کھا کر فرمایا کہ وہ بلا استثنا و بلا تخلف

---

(۱) البخاری:۱۸۷۷، مسلم:۱۹۹۰

(۲) البخاري:۱۸۷۶

(۳) أبو داود:۱۱۷۸

ستائیسویں میں ہوتی ہے۔(۱)

مگر چوں کہ دیگر روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ستائیسویں ہی میں یہ متعین نہیں ہے، چناں چہ ابن عباس سے ''بخاری'' میں ایک قول: ستائیسویں کا اور دوسرا: چوبیسویں کا مروی ہے، پھر علما نے ان کے اقوال کی توجیہ وتطبیق میں بھی لمبا کلام کیا ہے، پھر ''مسلم'' میں آیا ہے کہ ایک آدمی نے دیکھا کہ لیلۃ القدر ستائیسویں میں ہے، اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بھی تمھاری طرح دکھایا گیا ہے، لہذا تم آخری عشرے میں سے طاق راتوں میں اس کو تلاش کرو۔(۲)

اس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تسلیم کر کے کہ ستائیسویں میں لیلۃ القدر ہوئی، پھر بھی فرمایا کہ آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ معلوم ہوا کہ دوسری راتوں میں ہونے کا بھی امکان ہے؛ لہٰذا آخری عشرے میں تلاش جاری رکھنا چاہیے۔

ایک نبوی تنبیہ

یہاں ایک اہم حدیث ذکر کرنا مناسب ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ لیلۃ القدر کے سلسلہ میں تعیین پر اصرار بھی مناسب نہیں؛ بل کہ آخری عشرے میں تلاش کرنا اور اس تلاش کو جاری رکھنا مناسب ہے۔

حاکم نے ''مستدرک'' میں اور ابن ابی شیبہ نے ''مصنف'' میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے لیلۃ القدر کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا وہ رمضان میں ہوتی ہے یا غیر رمضان میں بھی

(۱) مسلم :۲:۱۲۷۲، أبو داود :۱۱۷۰۱، الترمذي :۷۲۳
(۲) مسلم :۱۹۸۷

ہوتی ہے؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ نہیں؛ بل کہ رمضان میں ہوتی ہے، میں نے عرض کیا کہ کیا انبیا جب تک زندہ ہوتے ہیں وہ رہتی ہے اور انبیا کے چلے جانے سے وہ بھی اٹھالی جائے گی یا قیامت تک رہے گی؟ فرمایا کہ وہ قیامت تک رہے گی، میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! وہ رمضان کے کون سے حصے میں ہوگی؟ فرمایا کہ اول یا آخری عشرے میں تلاش کرو؛ پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کچھ اور بیان فرماتے رہے، میں نے فرصت کا موقع غنیمت جانا اور عرض کیا کہ لیلۃ القدر ان بیس دنوں میں سے کون سے دن میں ہوتی ہے؟ فرمایا کہ آخری دس دنوں میں اس کو تلاش کرو اور اس کے بعد مجھ سے کچھ نہ پوچھنا، پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کچھ اور بیان کرتے رہے، پھر میں نے فرصت کو غنیمت جانا اور عرض کیا کہ میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ مجھے بتائیں کہ وہ دس میں سے کون سی رات ہوتی ہے؟ اس پر آپ اس قدر غضب ناک ہوئے کہ نہ اس سے پہلے مجھ پر آپ نے ایسا غصہ کیا اور نہ بعد میں اور فرمایا کہ اللہ اگر چاہے گا؛ تو تم کو مطلع کردے گا آخری سات دنوں میں اس کو تلاش کرو۔ (۱)

حاکم نے اس کو "مسلم" کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، معلوم ہوا کہ اس سلسلے میں زیادہ کاوش اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو پسند نہیں تھی؛ لہٰذا آخری عشرے میں یا کم از کم آخری سات راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش جاری رکھنا چاہیے۔

لیلۃ القدر کو بھلا دیا گیا

اصل یہ ہے کہ لیلۃ القدر کے سلسلے میں مختلف روایات ہیں، اولاً تو اسی میں کلام ہے کہ لیلۃ القدر کسی خاص و متعین تاریخ کو آتی ہے یا کبھی کسی تاریخ کو اور کبھی کسی اور

(۱) المستدرک للحاکم:۱/۶۰۳،ابن أبي شیبة:۲/۲۵۰

تاریخ کو اور اس اختلاف کی بنیاد یہ حدیث ہے، جس میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے کہ مجھے لیلۃ القدر کا علم دیا گیا پھر وہ اٹھا لیا گیا۔ پوری حدیث یہ ہے:

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے؛ تا کہ ہم کو لیلۃ القدر کی خبر دیں، وہاں دو مسلمان جھگڑ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« خرجت لأخبركم بليلة القدرفتلاحى فلان وفلان فرفعت، و عسى أن يكون خيرا لكم، فلتمسوها في التاسعة والسابعة والخامسة. »

(میں اس لیے نکلا تھا کہ تم کو لیلۃ القدر کی خبر دوں، فلاں اور فلاں نے جھگڑا کیا، تو یہ اٹھالی گئی اور شاید یہی تمھارے لیے بہتر ہے، پس (آخری عشرہ میں) نویں یا ساتویں یا پانچویں رات میں اس کو تلاش کرو۔)(۱)

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے تو لیلۃ القدر کا علم دیا گیا، پھر وہ اٹھا لیا گیا، اب علما کے مابین اختلاف ہو گیا کہ سرے سے تعیین اٹھالی گئی کہ اب لیلۃ القدر کسی متعین تاریخ میں نہیں آتی، بل کہ کبھی کسی تاریخ میں اور کبھی کسی تاریخ میں آتی ہے یا یہ کہ تعیین تو اب بھی ہے کہ ایک متعین تاریخ میں یہ آتی ہے، مگر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب و ذہن سے اس متعینہ تاریخ کو اٹھا لیا گیا، احتمال تو دونوں باتوں کا ہے اور ایک احتمال یہ ہے کہ اٹھا لینے سے مراد اُس سال جس میں اللہ کے نبی علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا: اس کی برکت کو اٹھا لینا ہے؛ مگر بعض روایات میں صاف صاف یہ آیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(۱) البخاري:۱/۲۷۰،ورواه مالك عن أنس:۹۸

«نَسِيتُهَا أو نُسِّيتُها.» (۱)

(میں اس کو بھول گیا یا مجھ سے بھلا دیا گیا۔)

اس سے بہ ظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ اٹھا لینے کا مطلب ہے ذہن سے اس تعیین کا اٹھا لینا اور بھلا دینا۔

بھلا دینے کا سبب

پھر اس نسیان یا بھلا دینے کا سبب کیا ہوا؟ اس میں ایک بات تو وہی بیان ہوئی ہے جو اوپر عرض کی گئی اور ''بخاری'' و'' موطامالک '' کی روایات میں اس کا ذکر ہے، کہ دو آدمیوں کے جھگڑنے کی وجہ سے لیلۃ القدر کو بھلا دیا گیا، ابن دحیہ نے لکھا ہے کہ یہ دو آدمی عبداللہ بن ابی حدرد اور کعب بن مالک تھے، جیسا کہ ابن حجر رَحِمَهُ اللهُ نے نقل کیا ہے۔ (۲)

اور مسلم شریف میں ایک دوسرا سبب بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

« قال أريت ليلة القدر ثم أيقظني بعض أهلي فنُسيتُها.» (۳)

(مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی پھر میرے بعض گھر والوں نے مجھے بیدار کر دیا تو میں بھول گیا یا بھلا دیا گیا۔)

اس میں لیلۃ القدر کو بھول جانے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ گھر والوں نے اٹھا دیا تھا، اب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دو الگ الگ قصے ہوں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں

(۱) مسلم: ۱/ ۳۶۹

(۲) فتح الباري: ۴/ ۲۶۸

(۳) مسلم: ۱/ ۳۶۹

جولیلۃ القدر کو دکھائے جانے کا ذکر ہے، وہ خواب کا واقعہ ہو اور اٹھانے اور بیدار کرنے کے سبب سے بھلا دیا گیا ہو۔اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اور انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں جولیلۃ القدر کے دکھائے جانے کا تذکرہ ہے، وہ بیداری کا واقعہ ہو اور دو آدمیوں کے جھگڑے کی وجہ سے بھول ہوگئی ہو،تو مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دفعہ اس کا علم دیا گا اور ہر دفعہ ایک ایک سبب سے وہ علم اٹھالیا گیا اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان دونوں احادیث میں ایک ہی واقعہ مذکور ہو اور یہ دونوں سبب ایک ہی وقت میں پیش آئے ہوں، اس طرح کہ آپ کولیلۃ القدر کا علم دیا گیا؛ مگر ایک تو گھر والوں کے بیدار کردینے ، پھران دو آدمیوں کے جھگڑے کی وجہ سے بھلا دیا گیا۔

الغرض اس سے معلوم ہوا کہ ان دو اسباب کی وجہ سے لیلۃ القدر کا علم اٹھالیا گیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جھگڑا نہایت بُری بلا ہے، جس کی وجہ سے ایک عظیم علم سے محروم کردیا گیا۔

لیلۃ القدر کو مخفی رکھنے کی حکمت

مگر لیلۃ القدر کو مخفی کر دینا اور اس کی تعیین کا علم اٹھالینا یا خود تعیین ہی کا اٹھالینا، بڑی حکمت و مصلحت پر مبنی ہے،اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«عَسٰی أَن یکون خیرًالَّکُم .» یعنی لیلۃ القدر کا علم اٹھا لیا جانا،امید ہے کہ تمھارے لیے بہتر ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ اس میں خیریت کا کونسا پہلو ہے اور وہ کیا حکمت و مصلحت ہے؟ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے حضرات علما کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

"لیلۃ القدر کے چھپادینے میں یہ حکمت ہے کہ اس کی تلاش وجستجو میں مجاہدہ اور سعی کی جائے اور اگر اس کو متعین کر دیا جاتا، تو اسی ایک

رات پر اقتصار کرلیا جاتا۔(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ لیلۃ القدر کو چھپا دینے سے یہ فائدہ ہوا کہ اس کو پانے کے لیے لوگ محنت ومجاہدہ کریں گے اور نہ صرف ایک رات بل کہ پورا عشرۂ اخیرہ شب بیداری اور عبادت واطاعتِ خداوندی میں گذاریں گے، اگر لیلۃ القدر کو متعین کر کے بتا دیا جاتا، تو صرف اسی ایک رات میں لوگ عبادت کرتے۔

دوسری حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ اگر لیلۃ القدر کو ظاہر کر دیا جاتا اور پھر بھی ہم سے اس میں عبادت میں کمی وکوتاہی ہوتی اور غفلت اندیشی کا ظہور ہوتا تو، اس عظیم نعمت کی کھلی ناقدری کی وجہ سے عذاب کے مستحق قرار پا جاتے، اب اللہ نے اس کو چھپا کر یہ کرم فرمایا کہ اس میں کوتاہی ہو جاتی ہے تو چوں کہ متعین طور پر معلوم نہیں اس لیے اس کو کھلی ناقدری میں شمار نہیں کیا جاتا اور محروم ہونے کے باوجود مستحق عذاب قرار نہیں دیا جاتا، یہ بھی اللہ کی بہت بڑی حکمت ومصلحت ہے۔

لیلۃ القدر کی پانچ خصوصیات

﴿سُوْرَةُ الْقَدْرِ﴾ میں لیلۃ القدر کی پانچ خصوصیات بیان کی گئی ہیں، جس سے یہ رات دیگر راتوں سے ممتاز ہو جاتی ہے اور اس کی حقیقت بھی ان سے واضح ہو جاتی ہے، یہاں ان کی تفصیل عرض کی جاتی ہے۔

نزولِ قرآن:

پہلی خصوصیت بیان کی گئی کہ لیلۃ القدر میں قرآن پاک کا نزول ہوا۔

﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ دوسری جگہ فرمایا ﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ﴾

(۱) فتح الباري:۴/۲۶۶

(ہم نے اس قرآن کو مبارک رات میں نازل کیا ہے۔)

اس میں مبارک رات سے مراد جمہور علمائے تفسیر کے نزدیک لیلۃ القدر ہے، جس عظیم الشان رات میں یہ عظیم کلام نازل کیا گیا، اس کی عظمت و بزرگی کا کیا ٹھکانہ ہے، یہ قرآن کیا ہے؟ انسانوں کے لیے پروانۂ آزادی ہے، اللہ نے دنیا میں انسان کو تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ مکرم ومقدس بنا کر بھیجا تھا، اس کو مسجود ملائک بنا کر دنیا میں روانہ کیا تھا؛ مگر یہ دنیا میں آکر خود کو ذلیل وخوار کیا اور اینٹ و پتھر و درخت اور دنیا کی ذلیل سے ذلیل اور بے حقیقت چیزوں کی پوجا و غلامی میں مبتلا ہو گیا، اللہ نے حضرات انبیا کے ذریعہ اس کو بتایا کہ تیرا مرتبہ کیا ہے؟ تو شجر و حجر کے سامنے سجدہ کرنے نہیں، شمس وقمر کی پوجا کرنے نہیں، ہواؤں اور دریاؤں کی غلامی کے لیے نہیں؟ بل کہ تو تو ان سب مخلوقات کو اپنا غلام ومحکوم بنانے کے لیے بھیجا گیا ہے، تو اگر کسی کا غلام ہوسکتا ہے، تو وہ صرف اللہ کی ہستی ہے، اخیر میں یہی پیغام لے کر نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ پر اللہ کا یہ کلام نازل فرمایا گیا، جس میں انسان کو اس کا مرتبہ ومقام بتا کر دنیا کی تمام طاقتوں سے آزادی بخشی گئی ہے، باطل معبودوں کی غلامی سے نجات کا سامان کیا گیا ہے اور تمام مخلوقات کا اس کا غلام ہونا بیان کیا گیا ہے، شمس وقمر کی تسخیر آخر انسان کے لیے جو کر دی گئی، اس کا آخر مطلب ہی کیا ہے؟ یہی کہ یہ سب تیرے غلام ہیں تو کسی کا غلام نہیں، تو صرف اللہ کا غلام و بندہ ہے، یہ عظیم الشان آزادی کا پروانہ (قرآن مجید) اسی لیلۃ القدر میں نازل کیا گیا، تو گویا یہ رات انسان کا یوم آزادی ہے، غرض یہ کہ اس رات میں یہ عظیم کلام نازل فرما کر انسانیت پر خدا تعالیٰ نے بے انتہا کرم فرمایا اور اس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا۔

ہزار مہینوں سے افضل:

لیلۃ القدر کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہزار مہینوں سے زیادہ افضل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس ایک رات میں نیکی اور عبادت کرنا، ایک ہزار مہینوں میں عبادت و نیکی کرنے سے افضل ہے، علما نے لکھا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ میں ایک ہزار ماہ تک عبادت کرنے کا ثواب پاؤں، تو اس کو چاہیے کہ لیلۃ القدر میں عبادت کرے، ایک ہزار مہینوں کا حساب لگایا جائے تو (۸۳) تراسی برس چار مہینے ہوتے ہیں۔

چند فوائد

ایک یہ کہ لیلۃ القدر جس طرح افضل ہے، کیا اس سے متصل دن کو بھی یہی فضیلت حاصل ہے یا نہیں؟ امام شعبی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے فرمایا کہ ہاں! اس سے متصل آنے والا دن بھی اسی طرح افضل ہے اور جمہور علما نے فرمایا نہیں، یہ فضیلت صرف رات کو حاصل ہے، البتہ رات کی طرح دن میں بھی عبادت میں سعی و کوشش بہتر ہے۔

دوسرے یہ کہ جمعہ کی رات لیلۃ القدر سے افضل ہے یا لیلۃ القدر اس سے بھی افضل ہے؟ ظاہرِ قرآن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ رات تمام راتوں سے افضل ہے؛ حتیٰ کہ جمعہ کی شب سے بھی افضل ہے، نیز اس رات کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل ہوا، جو کسی اور رات کو حاصل نہیں، نیز لیلۃ القدر میں خصوصیت کے ساتھ عبادت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی فضیلت بتائی گئی ہے، جب کہ جمعہ کی رات کے لیے یہ بات نہیں ہے اور بعض علما (حنابلہ) اس بات کے قائل ہیں کہ جمعہ کی رات لیلۃ القدر سے افضل ہے؛ کیوں کہ جمعہ کے جو فضائل حدیثوں میں آئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ سید الایام ہے، لہٰذا اس کی شب بھی سید اللیالی ہونا چاہیے، اس سلسلے میں ایک متوسط و معتدل بات حنبلی عالم

ابوالحسن تیمی رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ وہ لیلۃ القدر جس میں قرآن نازل ہوا وہ جمعہ کی رات سے افضل ہے اور اس لیلۃ القدر کے بعد جو ہر سال لیلۃ القدر آتی ہے، اس سے جمعہ کی رات افضل ہے؛ مگر جمہور کے نزدیک لیلۃ القدر سب سے افضل ہے۔

تیسرے یہ کہ عیدِ قربان کی رات کی فضیلت میں جو حدیثیں آئی ہیں، ان کی بنا پر بعض علما نے لیلۃ القدر پر لیلۃ النحر کو افضل قرار دیا ہے؛ مگر جمہور علما نے آیات قرآنیہ کے پیش نظر اس کی تردید فرمائی ہے۔

نزول ملائک

لیلۃ القدر کی تیسری خصوصیت یہ کہ اس رات اللہ کے فرشتے زمین پر نازل ہوتے ہیں اور مومنین کے حق میں دعائیں کرتے ہیں، قرآن میں ہے کہ اس رات میں فرشتے اور روح اللہ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، اس جگہ روح سے مراد اکثر علما کے نزدیک حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور بعض علما نے فرمایا کہ روح ایک عظیم فرشتہ ہے اگر وہ تمام زمین و آسمانوں کو نگل جائے تو ایک لقمہ ہو جائے گا۔ بعض نے فرمایا کہ روح سے فرشتوں کی ایک مخصوص جماعت مراد ہے جو فرشتوں کو بھی صرف اسی لیلۃ القدر میں نظر آتی ہے اور بعض نے فرمایا کہ روح وہ فرشتے ہیں، جو دیگر فرشتوں پر نگراں مقرر کیے گئے ہیں۔ (۱)

یہ فرشتے دنیا میں کیوں آتے ہیں؟ علامہ آلوسی رحمۃ اللہ نے نقل کیا ہے:

> ''یہ اس لیے آتے ہیں کہ اس رات میں عبادت کرنے کا جو ثواب اللہ نے رکھا ہے یہاں آکر اس کو پائیں؛ کیوں نکہ لیلۃ القدر کا یہ ثواب دنیا میں مقرر ہے، لہٰذا وہ آسمانوں سے اتر کر یہاں آتے اور عبادات میں مشغول

(۱) روح المعاني:۳۰/۲۲۵

ہو کر ثواب حاصل کرتے ہیں جیسے ہم میں سے بعض لوگ مکہ جا کر زیادہ ثواب حاصل کرتے ہیں۔‘‘

اور علامہ عصام الدین رَحِمَہُ اللہُ نے فرمایا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے یہاں اس لیے آتے ہیں، کہ لیلۃ القدر کو پالیں؛ کیوں کہ لیلۃ القدر آسمانوں پر نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے اس جگہ فرشتوں کے نزول کا ذکر کر کے انسانوں کو ترغیب دی ہے، کہ جب اللہ کے فرشتے آسمانوں سے اس کو پانے یہاں آتے ہیں، تو تم یہیں رہ کر محروم کیوں ہوتے ہو؟ لہٰذا تم بھی عبادت میں مشغول رہو۔

’’روح المعانی‘‘ میں ایک حدیث بہ حوالہ ’’غنیۃ الطالبین‘‘ نقل کی گئی ہے:

’’لیلۃ القدر میں اللہ کے حکم سے حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَامُ سدرۃ المنتہیٰ کے ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ زمین پر آتے ہیں اور ان سب کے ہاتھوں میں نور کی جھنڈیاں ہوتی ہیں، یہ فرشتے ان جھنڈیوں کو چار مقامات پر گاڑ دیتے ہیں، کعبۃ اللہ کے پاس، نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی قبر کے پاس، بیت المقدس کے پاس اور کوہِ طور کے پاس، پھر حضرت جبرئیل عَلَیْہِ السَّلَامُ حکم دیتے ہیں کہ زمین پر منتشر ہو جاؤ، پس یہ فرشتے منتشر ہو جاتے ہیں اور ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں۔ کوئی گھر، کوئی پتھر، کوئی کشتی نہیں چھوڑتے جہاں کوئی مومن بندہ یا مومنہ بندی ہو۔ سب جگہ چلے جاتے ہیں؛ مگر اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا ہو یا خنزیر ہو، یا شراب ہو یا زنا کر کے کوئی ناپاک آدمی ہو یا جاندار کی تصویر ہو، یہ فرشتے اللہ کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے اور امت محمدیہ کے لیے استغفار کرتے ہیں، جب صبح ہو جاتی ہے؛ تو آسمانوں کی

طرف چلے جاتے ہیں، (پھر آگے چل کر ہے) اللہ تعالیٰ فرمائیں گے
کہ میں نے امت محمدیہ کے لیے میرے پاس ایسی چیزیں رکھی ہیں جن
کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے قلب پر اس
کا خطرہ گزرا۔''(۱)

غرض یہ اللہ کے فرشتے آسمانوں سے آتے اور امت کے لیے دعا کرتے اور استغفار کرتے ہیں، یہ بڑی عظیم خصوصیت لیلۃ القدر کی ہے۔

تقدیری فیصلوں کا اظہار

لیلۃ القدر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بندوں کی تقدیر کے فیصلے، فرشتوں کے سامنے ظاہر کیے جاتے ہیں۔ چناں چہ فرمایا ﴿مِنْ كُلِّ اَمْرٍ﴾ اس کی تفسیر میں صاحب ''روح المعانی'' نے لکھا ہے:

'' اي من أجل كل أمر تعلق به التقدير في تلك السنة الى قابل و أظهره سبحانه و تعالىٰ لهم. قاله غير واحد.''(۲)

(یہ فرشتے نازل ہوتے ہیں ہر اس امر کی وجہ سے جس کا تعلق اس سال سے آئندہ سال تک کی تقدیر سے ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں پر اس کو ظاہر کیا ہو، یہ بات بہت سے علما نے بیان کی ہے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ اس رات اللہ تعالیٰ بندوں کے متعلق تقدیری فیصلے، جو اس سال سے آئندہ سال تک کے لیے ہوتے ہیں، ان کو فرشتوں کے سامنے ظاہر فرما کر ان کے حوالہ کر دیتے ہیں تا کہ وہ ان کا نفاذ کریں، ﴿سُوْرَةُ الدُّخَان﴾ میں بھی اس کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

---

(۱) روح المعاني:۳۰/۲۲۵

(۲) روح المعاني:۳۰/۲۲۷

﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيمٍ﴾. (الدخان: ۴)

(اس رات میں ہر حکمت والے معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔)

اس کی تفسیر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ فرماتے ہیں:

''اس رات (شب قدر) میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم (صادر) ہو کر طے کیا جاتا ہے (سال بھر کے معاملات جو سارے کے سارے ہی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں جس طرح انجام دینے اللہ کو منظور ہوتے ہیں، اس طریقے کو متعین کر کے ان کی اطلاع متعلقہ فرشتوں کو کر کے ان کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔''(۱)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''یعنی اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ کا فیصلہ ہماری طرف سے کیا جاتا ہے، جس کے معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ بیان فرمائے ہیں، کہ یہ رات جس میں نزول قرآن ہوا، یعنی شب قدر، اسی میں مخلوقات کے متعلق تمام اہم امور، جن کے فیصلے اس سال میں اگلی شب قدر تک واقع ہونے والے ہیں طے کیے جاتے ہیں، کہ کون کون اس سال پیدا ہوں گے، کون کون آدمی اس میں مریں گے؟ کس کو کس قدر رزق اس سال میں دیا جائے گا؟ یہی تفسیر دوسرے ائمۂ تفسیر حضرت قتادہ، مجاہد، حسن وغیرہم سے بھی منقول ہے۔''(۲)

اوپر یہ لکھ چکا ہوں کہ یہ بات بہ قول ابن حجر؛ حضرت مجاہد، حضرت قتادہ، حضرت

---

(۱) بیان القرآن: ۲/ ۴۹۶

(۲) معارف القرآن: ۷/ ۷۵۷

عکرمہ وغیرہم سے اسانید صحیحہ سے مروی ہے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر فیصلوں کی رات ہے اور اللہ کے فرشتے اس رات ان فیصلوں کو لے کر دنیا میں آتے ہیں۔

ایک شبے کا جواب

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شب برأت کے سلسلے میں مشہور ہے کہ اس میں فیصلے ہوتے ہیں اور یہاں بتایا گیا ہے کہ لیلۃ القدر میں فیصلے ہوتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ شب برات میں فیصلوں کا ہونا بھی بعض احادیث میں وارد ہوا ہے اور ان میں سے اکثر روایات اگرچہ ضعیف ہیں؛ تاہم ان سب کا مجموعہ قوی ہے، جیسا کہ میں نے اس کی تحقیق اپنے ایک رسالہ ''احکامِ شعبان وشب برات'' میں کردی ہے اور ایک روایت ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالے سے ''صالح للاحتجاج'' بھی پیش کی ہے اور دونوں راتوں میں فیصلے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک رات میں فیصلے ہوتے ہیں اور ایک میں ان فیصلوں کا نفاذ ہوتا ہے۔

سلامتی کا نزول:

پانچویں خصوصیت لیلۃ القدر کی یہ ہے کہ اس رات کو سلامتی کی رات بتایا گیا ہے۔فرمایا: ﴿ سَلَامٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴾

(یہ رات صبح طلوع ہونے تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔)

مفسرین نے لکھا ہے کہ اس رات میں صرف سلامتی کے فیصلے ہوتے ہیں اور حضرت مجاہد نے فرمایا کہ یہ رات شیطان کی اذیت سے سالم ہوتی ہے، یعنی اس میں شیطان کسی کو تکلیف نہیں دے سکتا اور نہ وہ باہر نکل سکتا ہے۔(۱)

(۱) روح المعاني: ۳۰/ ۲۲۷

بعض نے فرمایا کہ یہ رات دوزخ اور قیامت کی ہولناکیوں سے نجات وسلامتی دینے والی ہے، وہ اس طرح کہ اس میں عبادت کرنے پر تمام گناہوں کی مغفرت کا وعدہ ہے،تو جو عبادت کرے گا وہ مغفور ہوگا اور جہنم سے محفوظ ہوگا۔

بعض نے فرمایا کہ اس رات اللہ کے فرشتے اہل اسلام کو سلام کرتے ہیں؛ اس لیے اس کو سلامتی کی رات کہتے ہیں۔ یہ پانچ خصوصیات لیلۃ القدر کی ہیں۔

لیلۃ القدر اور اختلافِ مطالع

یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ لیلۃ القدر کیا ہر جگہ ایک ہی وقت پر ہوتی ہے یا الگ الگ وقتوں پر ہوتی ہے، اس شبہ کی بنیاد اختلافِ مطالع ہے، کیوں کہ دنیا میں ایک وقت کسی جگہ رات ہوتی ہے تو دوسری جگہ دن ہوتا ہے؛ نیز کسی جگہ فجر طلوع ہوجاتی ہے اور دوسری جگہ ابھی رات کا حصہ باقی رہتا ہے ۔بعض جگہ رات داخل ہوجاتی ہے اور دوسری جگہ ابھی دن باقی رہتا ہے،تو سوال یہ ہے کہ لیلۃ القدر سب جگہ ایک ہی وقت ہو؛ تو کسی جگہ رات کو ہوگی اور کسی جگہ دن کو اور دن کو لیلۃ القدر کیسے ہوسکتی ہے، وہ لیلۃ القدر نہ ہوئی بلکہ یوم القدر ہوا؟ اس پر حضرت علامہ آلوسی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے روح المعانی میں طویل بحث کی ہے، زیادہ صاف بات یہ ہے کہ لیلۃ القدر ہر علاقے میں اپنے اپنے وقت پر آتی ہے، ایک ہی وقت پر نہیں آتی ،مثلاً کسی جگہ مغرب کا وقت ہوگیا اور لیلۃ القدر داخل ہوگئی اور دوسری جگہ ابھی مغرب کا وقت نہیں آیا، تو یہاں ابھی لیلۃ القدر کا آغاز نہیں ہوا، جب مغرب ہوگی تو لیلۃ القدر کا آغاز ہوگا۔ (وعلی ہذا القیاس)

لیلۃ القدر میں کیا کرنا چاہیے؟

لیلۃ القدر جس کی یہ فضیلتیں اور بڑائیاں بیان ہوئیں، ہمیں اس میں کیا کرنا

چاہیے؟ اس میں ایک کام یہ کرنا ہے کہ اللہ کی عبادت میں مشغول رہیں۔

حدیث میں ہے کہ جو لیلۃ القدر میں قیام کرے ایمان وثواب کی نیت کے ساتھ؛ تو اس کے سارے پچھلے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ (۱)

دوسرے یہ کہ چوں کہ لیلۃ القدر کب آتی ہے، اس کا علم نہیں، لہٰذا اس کو تلاش کرنے کے لیے اعتکاف کرے جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا۔

تیسرے یہ کہ اس کا علم ہو جائے، تو اللہ سے بخشش ومعافی کا سوال کرے (۲) یہ الفاظ ہوں تو بہتر ہے:

«اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنَّا»

(اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، لہٰذا ہم کو معاف فرما۔

بعض علما نے یہ فرمایا کہ اس رات میں دعا کرنا سب سے افضل ہے۔ (واللہ اعلم)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور سارے مسلمانوں کو اس عظیم دولت سے مالا مال فرمائے، آمین۔

---

(۱) البخاري: ۳۴

(۲) الترمذي: ۳۴۳۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی عید کا امتیاز

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل اسلام پر جو نعمتیں و رحمتیں مقدر و مقرر ہیں، ان میں سے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دو دن بھی ہیں، جو اہل اسلام کی مسرت و خوشی اور فرحت و انبساط کے لیے عطا کیے گئے ہیں، ویسے تو ہر قوم اور ہر ملت کے پاس عید کے دن مقرر ہیں اور ان میں وہ خوشی مناتے ہیں؛ مگر اسلامی عید، ایک خاص شان کی حامل ہے، جو اس کو دیگر اقوام و ملل کی عیدوں اور تہواروں سے ممتاز کرتی ہے۔

اسلامی عید کا امتیاز

اسلامی عید کا سب سے پہلا امتیاز یہ ہے کہ ساری قومیں، کھیل تماشے اور لہو و لعب کو عید قرار دیتے ہیں اور اسلامی عید میں خدا کی عبادت و اطاعت اور اس کا ذکر و فکر اصل و مقصود ہے۔ چناں چہ احادیث میں ہے:

«إن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خرج یوم الفطر فبدأ بالصلوة. ثم خطب الناس بعد فلما فرغ فأتی النساء فذکّرهن.»(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن سب سے پہلے اللہ کے حضور دوگانہ پیش کرتے، پھر لوگوں کو دین و شریعت کے احکام سے آگاہ فرماتے، مردوں سے فارغ ہو کر آپ عورتوں کو بھی وعظ و نصیحت فرماتے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے:

«إن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کان یکبّریوم الفطرمن حین یخرج

(۱) البخاري، ۱/۱۳۱

من بيته حتى يأتي بالمصلى.»(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن گھر سے عید گاہ جانے تک (اللہ کی بڑائی و عظمت کے مظاہرے کے لیے) ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' کی تکبیر بلند فرماتے۔

ان تمام باتوں کو مدنظر رکھیے تو اندازہ ہوگا کہ اسلامی عید نام ہے، اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہو جانے، اس کے احکام و اوامر کی طرف توجہ کرنے اور متوجہ کرانے اور ان کی تعمیل کے لیے کمر بستہ ہو جانے اور اس کے ذکر میں سرشار رہنے کا۔

اس کے برخلاف، جاہلی اقوام کی عید، محض کھیل تماشا اور من مانی رسومات و خرافات کا نام ہے۔

مسلمانوں کی عید اللہ کا عطیہ ہے

اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے، کہ اور لوگوں کی عیدیں اور تہوار، ان کے خودساختہ اصول اور من مانی رسوم کی پیداوار ہیں، اس کے پیچھے کوئی خدائی حکم و ہدایت موجود نہیں؛ اس کے برعکس اہل اسلام کی عید خدا کی طرف سے مشروع و مقرر ہوئی ہے اور بہ طور عطیہ و تحفہ عطا فرمائی گئی ہے۔ چناں چہ ''ابو داؤد'' میں حدیث ہے:

«قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة ولهم يومان يلعبون فيهما، فقال: ما هذان اليو مان قالوا: كنا نلعب فيهما في الجا هلية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله أبدلكم بهما خيراً منهما يو م الأضحى و يوم الفطر».

(جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے؛ تو دیکھا کہ وہاں کے لوگ دو دن عید مناتے ہیں، جن میں خوب کھیلتے اور ناچتے ہیں، آپ نے پوچھا کہ یہ

(۱) الدار قطني:۲/۴۴

دو دن کیا ہیں (جن میں تم خوشی مناتے ہو؟) انھوں نے اس کے جواب میں کہا کہ جاہلیت کے زمانے سے ہم ان دونوں دنوں میں (عید مناتے) اور کھیلتے ہیں، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے ان دو دنوں کے بدلے تم کو ان سے بہتر دن عطا فرمائے ہیں، ایک عید الاضحیٰ اور دوسرے عید الفطر۔)(۱)

اس حدیث میں غور کیجیے کہ زمانۂ جاہلیت کے ایامِ عید کی حقیقت، مدینہ والے صرف یہ بتا سکے کہ ہم جاہلیت کے زمانے ہی سے ان میں کھیلتے کودتے آرہے ہیں، یہ عید کا خلاصہ تھا، کیوں؟ اس لیے کہ یہ حکم خداوندی اور فرمان نبوی کی بنیاد پر نہ تھی، بل کہ من مانی عید تھی، اللہ کے نبی عَلَیْہِ السَّلَامُ نے اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے لیے دو دن مقرر فرمائے اور اللہ کی طرف سے مقرر فرمائے اور ان ایام کو خیر و خوبی والے ایام قرار دیا، یہ اسلامی عید کی دوسری خصوصیت اور دوسرا امتیاز ہے۔

روحانی مسرت

تیسرا امتیاز یہ ہے کہ دیگر اقوام کی عید محض ظاہری مسرت وخوشی کا نام ہے، اس لیے وہ صرف کھانوں اور کپڑوں کی عمدگی ونفاست میں اپنی عید سمجھتے ہیں، اگر عمدہ کھانا نہ ہو اور عمدہ کپڑے نہ ہوں، تو ان کی عید، عید نہیں اور اہل اسلام کی عید نہ کھانوں پر موقوف اور نہ کپڑوں کی محتاج اور نہ زیب وزینت کی طالب، وجہ یہ ہے کہ ان کی عید تو روح کو خوشی ومسرت کا پیغام دیتی ہے اور یہ اللہ کی طرف سے رضا اور مغفرت کا پروانہ ملنے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ چناں چہ حدیث میں ہے:

عید گاہ جانے والوں اور عید منانے والوں کو اللہ تعالیٰ اس طرح لوٹاتے ہیں کہ اللہ ان سے راضی ہوتا ہے اور سارے گناہ بخش دیتا ہے۔ (۲)

---

(۱) أبو داود:۱/۱۶۱

(۲) مشکوۃ:۱۸۲

یہ ہے اصل خوشی و مسرت جو بندۂ مومن کو عید کے دن حاصل ہوتی ہے۔

اصل عید کیا ہے؟

اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عید تو اس کی ہے، جس کے روزوں کو اللہ نے قبول کر لیا اور جس کی نماز کو منظور فرمالیا اور ہر وہ دن جس میں خدا کی نافرمانی نہ کی جائے، وہ عید کا دن ہے۔(۱)

اور بعض حضرات نے عید کی اصل وحقیقت کو بڑے عمدہ اسلوب میں یوں بیان کیا ہے:

لیس العیدلمن لَبِس الجدید   إنماالعیدُلمن اَمِنَ من الوعید
لیس العید لمن تبخر بالعود   إنما العیدُ لمن تاب ولا یعود
لیس العید لمن تزیّن بزینة الدنیا   إنما العید لمن تزوّد بزادالتقوی
لیس العید لمن رکب المطایا   إنما العید لمن ترک الخطایا

(عید اس کی نہیں جس نے نیا لباس پہنا؛ بل کہ عید تو اس کی ہے جو، وعید و عذاب سے بچ گیا۔ اور عید اس کی نہیں جو عود کی خوشبو سے معطر ہو گیا؛ بل کہ عید اس کی ہے جس نے توبہ کیا اور پھر گناہ نہ کیا۔ اور عید اس کی نہیں جس نے دنیوی زینت سے اپنے کو مزین کر لیا؛ بل کہ عید تو اس کی ہے جس نے تقویٰ کا توشہ تیار کر لیا۔ اور عید اس کی نہیں جو سواریوں پر سوار ہوا؛ بل کہ عید اس کی ہے جو گناہوں کو ترک کر دے۔)

ایک بزرگ نے اپنے شہر میں لوگوں کو عید کے دن کھیل کود کرتے اور رنگ برنگے کپڑوں میں گھومتے پھرتے دیکھا اور وہ اس حال میں بھی علام الغیوب سے

(۱) شرح نہج البلاغة:۹۴۳

ایک لمحہ بھی بے خبر نہ ہوتے تھے اور انھوں نے اس موقعے پر عید کی حقیقت سے متعلق یہ عجیب وغریب اشعار پڑھے:

الناس کلهم للعید قد فرحوا وقد فرحت أنا بالواحد الصمد

الناس کلهم للعید قد صبغوا وقد صبغت ثیاب الذل والکمد

الناس کلهم للعید قد غسلوا وقد غسلت أنا بالدمع للکبد

(سارے انسان عید کی خوشی منا رہے ہیں اور میں اللہ واحد الصمد سے خوش ہوں، سارے لوگ عید کے لیے خوشبوئیں لگا کر آئے ہیں اور میں نے ذلت اور بدلی ہوئی رنگت والے کپڑوں کا رنگ لگا لیا ہے، سارے لوگ عید کے لیے غسل کر کے آئے ہیں اور میں نے دل کو آنسوؤں سے غسل دیا ہے۔(۱)

غرض یہ ہے کہ اصل عید تو ان کو حاصل ہوتی ہے جنھوں نے عید کے دن اللہ کی طرف سے مغفرت ومعافی کا پروانہ حاصل کرلیا، نہ کہ ان کو جو صرف کپڑوں کی، کھانوں کی اور زیب وزینت کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

اسلامی عید میں اتحاد کا مظاہرہ

اسلامی عید جو ہماری روحانی مسرتوں اور شادمانیوں کا سب سے بڑا موقعہ ہے، یہ ہر سال آتی اور اپنی بہار دکھا کر چلی جاتی ہے؛ مگر اس کی طرف بہ غور دیکھنے سے اور اس سلسلے کی تعلیمات پر توجہ دینے سے معلوم ہوگا کہ وہ ہمیں ان مسرتوں اور شادمانیوں کے ساتھ ایک خاص پیغام بھی دیتی ہے۔

حکم یہ ہے کہ عید کی نماز سارے شہر والے کسی ایک جگہ جمع ہو کر پڑھیں، اگرچہ ضرورت کے لیے یہ بھی جائز ہے، کہ ایک شہر میں متعدد جگہ عید ادا کی جائے، مگر یہ ایک

---

(۱) بحر الدموع (مترجم):۲۹

ضرورت کی بناء پر ہے، ورنہ اصل حکم یہی ہے کہ سب ایک جگہ جمع ہوں، کالے بھی اور گورے بھی، غریب بھی اور مالدار بھی، بادشاہ بھی اور محکوم بھی، اونچے طبقہ والے بھی اور نچلے طبقہ والے بھی، عالم بھی اور جاہل بھی، غرض بلاکسی تفریق واختلاف کے تمام کے تمام مسلمان ایک جگہ جمع ہوں، پھر ایک اللہ کے سامنے، ایک نبی کے طریقہ پر، ایک امام کی متابعت واقتداء میں سب کے سب نماز ادا کریں، نہ کوئی بندہ رہے نہ بندہ نواز، سب کے سب ایک ہی طریقہ کی صفوں میں کھڑے ہوں۔

یہ نماز عید کا پر شکوہ وحسین منظر ایک طرف حسن ترتیب وحسن عمل کی بناء پر دعوت نظارہ دیتا ہے تو دوسری طرف اہل اسلام کے اتحاد ویکسانیت کے پر شکوہ مظاہرہ کی وجہ سے غیر اقوام کے دلوں میں رعب وہیبت پیدا کر دیتا ہے، یہ ہے عید کی مشروعیت کا ایک اہم ترین مقصد۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رَحِمَہُ اللہ نے لکھا ہے کہ اس کا ایک مقصد مقاصد شرع میں سے یہ ہے کہ ہر ملت اپنی شان وشوکت اور اپنی کثرت کو ظاہر کرنے کے لیے ایک جگہ جمع ہوتی ہے، اسی طرح عید کو مشروع کر کے ان کی شان وشوکت وکثرت کا مظاہرہ کرایا جاتا ہے۔(۱)

عید گاہ جانے اور آنے کی ایک عجیب سنت

اور یہی اتحاد وقوت وشوکت اور کثرت کا مظاہرہ ہے جس کے لیے نبی کریم صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ طریقہ اور سنت اختیار فرمائی اور ہمارے لیے مشروع فرمائی کہ جب عید گاہ جاتے تو ایک راستہ اختیار کرتے اور واپس آتے تو دوسرے راستے سے آتے تھے۔(۲)

---

(۱) حجة الله البالغة:۲/۳۱

(۲) البخاري:۱/۱۳۱

اس کی متعدد حکمتیں اور وجوہات علماء نے بیان کی ہیں۔

ان میں سے ایک وجہ یہ ہے جو ابھی عرض کی گئی کہ جب ایک راستہ سے جائیں گے اور دوسرے سے آئیں گے تو ہر راستہ پر مسلمان ہی مسلمان نظر آئیں گے اور اس سے کفار کے قلوب پر رعب و دبدبہ قائم ہوگا اور مسلمانوں کی کثرت وشوکت اور ان کی قوت وطاقت کا مظاہرہ ہوگا۔

توجہ کے قابل

اب غور فرمایئے کہ اسلام ہماری عید کے ذریعہ ہماری قوت و طاقت کا سکہ غیر اقوام پر بٹھا دینا چاہتا ہے اور ہماری شوکت وعظمت کا مظاہرہ کرانا چاہتا ہے مگر ہم آپس کے اختلافات اور معمولی باتوں پر ایک دوسرے کی مخالفت اور اختلافی مسائل کی بنیاد پر ایک دوسرے کی تفسیق وتکفیر، توہین وتذلیل کر کے اپنی ساری قوت وطاقت کو توڑنے میں مشغول ہیں اور اپنی کمزوری کا مظاہرہ کررہے ہیں، بلکہ بعض لوگ امت میں تفریق کرنے اور آپس میں اتحاد کو توڑنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اشتہارات و پمفلٹوں کے ذریعہ فتنہ پروری میں لگے ہوئے ہیں، کسی کو کافر کہہ کر، مرتد وزندیق کہہ کر لوگوں کے دلوں میں بغض وعداوت پیدا کرنے میں لگے ہوئے ہیں، کبھی مباحثہ اور مناظرہ کی دعوت دے کر اور کبھی گالیوں اور دھمکیوں سے کام لے کر امت میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ذرا اللہ کے لیے تو سوچو کہ یہ کام امت کو کس قدر کمزور کر رہا ہے۔

لہٰذا عید کے اس مبارک موقعہ پر ہمیں ہماری قوت وشوکت کا، عظمت وطاقت کا بھرپور مظاہرہ کرنا چاہیے۔

فسطائیت کا جواب

اور یہ تمام فسطائی قوتوں اور طاقتوں کا جواب لاجواب ہے، یہ ان کی کمر توڑ دے گا، ان کے منصوبوں پر پانی پھیر دے گا، ان کے قلوب میں دبدبہ ورعب بٹھا دے گا، آج ساری فسطائی طاقتیں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف برسر پیکار ہیں، وہ چاہتی ہیں کہ مسلمان کمزور ہوں، ان کے درمیان پھوٹ پڑ جائے اور ان کی طاقت ٹوٹ جائے، ایسے موقعہ پر تو ہمیں چاہیئے کہ ہماری قوت و طاقت اور اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کریں، عید کے ذریعہ ہمیں یہی سبق دیا گیا ہے ورنہ محض عبادت تو مسجدوں میں بھی ہوسکتی ہے اور گھروں میں بھی ہوسکتی ہے۔

اللہ کرے کہ ہمیں یہ سبق یاد ہوجائے اور ہم اسلام کی بلندی کی خاطر اتفاق و اتحاد کی راہ اپنائیں۔ (آمین یارب العالمین)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عید کی تیاری اور ہماری بے اعتدالی

تمہید

ابتدائے آفرینش سے اب تک برابر اور تسلسل کے ساتھ روحانیت سے مادیت ٹکرانے اور اس کو مغلوب کرنے کی کوشش میں ہے اور جب تک روحانیت کے دعویدار، صرف دعویدار نہیں؛ بل کہ درحقیقت روحانیت کے علم بردار بھی رہے، مادیت کو غالب آنے کا موقعہ نہ ملا، اور وہ ہمیشہ ایسے مواقع پر ناکام اور مغلوب ہی ہوئی اور رہی؛ مگر جب روحانیت کے علم بردار یکے بعد دیگرے اپنے اصلی مقام کی طرف کوچ کر گئے اور سوائے چند کے سب کے سب صرف دعویدار رہ گئے، جن کی زبانوں پر تو روحانیت کے گیت اور ترانے ہیں مگر دل اس کی حقیقت وعظمت سے خالی، تو مادیت کو سر اٹھانے اور نہ صرف سر اٹھانے؛ بل کہ روحانیت پر چڑھ بیٹھنے کا بھی بھرپور موقع مل گیا اور پھر اس نے اس قدر غلبہ اور تسلط حاصل کر لیا، کہ لوگ مادیت ہی کو روحانیت سمجھ بیٹھے۔

میں اس کی مثال میں عنوان کی مناسبت سے "عید" کو پیش کرتا ہوں، کہ عید در اصل کیا تھی؟ اور آج ہم نے اس کا کیا تصور قائم کر لیا ہے، ہمارے نزدیک عید کپڑوں اور کھانوں، کھیل، تماشوں، سیر اور تفریح بازیوں کا نام ہے، جو سب کی سب مادی اور فانی چیزیں ہیں، جبکہ اسلام عید کا جو تصور پیش کرتا ہے، وہ روحانیت سے ہم کنار کرتا ہے، پھر

اس غلط تصور کے نتیجے میں کیا کیا بے اعتدالیاں اور گمراہیاں پھیل رہی ہیں؟ یہ ایک طویل الذیل داستاں ہے، میں اس مختصر تحریر میں ان ہی باتوں کی طرف کچھ اشارے دینا چاہتا ہوں، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو حقیقت کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اسلامی عید کی حقیقت

سب سے پہلے یہ سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ اسلامی عید کی حقیقت کیا ہے؟ ایک حدیث سے اس پر بہ خوبی روشنی پڑتی ہے، ایک طویل حدیث میں ہے کہ جب عید کی صبح ہوتی ہے، تو حق تعالیٰ شانہ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیجتے ہیں اور فرشتے اتر کر تمام گلیوں اور راستوں پر کھڑے ہو جاتے اور پکار کر کہتے ہیں کہ اے امتِ محمد یہ اس کریم رب کی درگاہ کی طرف چلو، جو بہت زیادہ عطا فرمانے والا ہے اور بڑے بڑے قصور معاف کر دیتا ہے، پھر جب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں، تو حق تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں کہ اس مزدور کا کیا بدلہ ہے، جس نے پورا کام کیا ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں، کہ اس کا بدلہ یہ ہے کہ اس کی مزدوری پوری دی جائے، اس پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! گواہ رہو کہ میں نے رمضان کے روزے اور تراویح کے بدلے ان لوگوں کو اپنی رضا اور مغفرت عطا کر دی، پھر آخر حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں سے فرماتے ہیں کہ اب تم بخشے بخشائے لوٹ جاؤ میں تم سے راضی ہو گیا۔(۱)

اس حدیث پر غور کیجیے کہ اس سے عید کی حقیقت کیا نکلتی ہے:

پہلی بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ فرشتے اس دن پکار کر کہتے ہیں، کہ اپنے رب کی طرف چلو جو بہت زیادہ عطا کرنے اور بڑے گناہوں کو بھی بخش دینے والا ہے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ عیدگاہ جانے والوں کو اپنی رضا اور

---

(۱) مشکوۃ :۱۸۱

مغفرت کا پروانہ عطا فرماتے ہیں۔

مگر یہ سب کن لوگوں کے لیے؟ ان کے لیے جنھوں نے رمضان میں کام پورا کر دیا ہو اور روزے اور تراویح کا اہتمام کیا ہو، جیسا کہ خود حدیث سے ظاہر ہے۔

ان سب باتوں کو ملانے سے پتا چلا کہ عید دراصل رمضان کی طاعتوں اور نیکیوں کا بدلہ دیئے جانے کا دن ہے اور وہ بدلہ دو چیزوں کی شکل میں ملتا ہے:

ایک یہ کہ گناہوں کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ دوسری اللہ کی رضا مندی حاصل ہوتی ہے اور اسی اللہ کی رضا مندی اور مغفرت پر خوش ہو جانے اور مسرت منانے کو عید کی خوشی کہا جاتا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللہُ کا ارشاد

اسی حقیقت کو علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللہُ نے بڑے بلیغ انداز میں پیش کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

> ”عید خوشی اور مسرت کا نام ہے اور اہل دنیا کے نزدیک ہر قسم کا سرور و انبساط اور ہر طرح کی فرحت و ابتہاج عید کے مترادف ہے؛ لیکن شریعت مقدسہ اور ملت بیضا کی نظر میں عید اس مسرت و خوشی کو کہتے ہیں، جو نعمائے ربّانی و کرم ہائے الٰہی کے شکر اور اس کے فضل و جود پر ادائے نیاز کے لیے کی جاتی ہے، دنیا خود فانی ہے اور اس کے باغ و بہار فانی؛ پھر اس پر کیا مسرت و انبساط؟ جس سرور کے بعد غم ہو اور جس خوشی کے بعد غم ہو، تو ایسے سرور کو عید کہنا ہی غلط ہے۔“(۱)

(۱) ملفوظات محدث کشمیری رَحِمَہُ اللہُ: ۳۵۲

حاصل یہ کہ اسلامی عید تو اللہ کی عظیم نعمتوں جیسے رضا و مغفرت اور پھر اس سے قبل نیکیوں کی توفیق پر خوشی اور مسرت کا نام ہے، نہ کہ دنیا کی فانی چیزوں پر خوشی و مسرت کا نام۔ جیسے: کھانوں، کپڑوں، زیب وزینت کی چیزوں، سیر و تفریح بازیوں کی خوشی، یہ اہل دنیا کی اور مادیت پرستوں کی عید ہے اور روحانیت کے علم برداروں کی عید، ان مادی و فانی چیزوں میں نہیں، رضا و مغفرت کی روحانی نعمتوں میں ہے۔

اسلامی عید کی تیاری

اس کے بعد اب اس پر توجہ دینی ہے کہ اس عظیم الشان عید کی تیاری کیا اور کیسی ہونی چاہیے؟ ظاہر ہے کہ اس کی تیاری اس طرح ہونا چاہیے کہ رمضان مبارک کی نور بار گھڑیوں اور مبارک ساعتوں کو اللہ کی رضا جوئی، خوف و خشیت الٰہی، عبادت و طاعت، جود و سخاوت، ذکر و تلاوت، روزہ اور نماز، تراویح و اعتکاف میں خرچ کیا جائے اور تقویٰ و طہارت کی اسپرٹ اور روح اپنے اندر پیدا کر لی جائے؛ تا کہ عید کے دن جب درگاہِ خداوندی میں حاضری ہو، تو محنتی مزدوروں میں ہمارا شمار ہو اور ہمیں پورا پورا اجر و بدلہ یعنی رضا و مغفرت کا پروانہ مل جائے اور ہم کام چور مزدوروں میں شمار ہو کر مردود نہ ہو جائیں۔

عید محنتی مزدوروں کا بدلہ

کیوں کہ اوپر جس حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے، اس میں یہ بات موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتے ہیں:

''اس مزدور کا کیا بدلہ ہے، جس نے کام پورا کیا ہو؟''

معلوم ہوا کہ بدلہ اس مزدور کو دیا جاتا ہے، جس نے کام کیا ہو اور جس نے

لاپروائی وغفلت شعاری کا مظاہرہ کیا ہو، وہ اس قابل ہی نہیں ٹھہرتا کہ اس کو بدلہ دیا جائے، دنیا میں بھی یہی قاعدہ واصول جاری ہے، کہ محنتی مزدور کو اجرت دی جاتی ہے؛ بل کہ زیادہ محنتی ہو، تو اجرت کے علاوہ انعام بھی دیا جاتا ہے اور جو مزدور کام نہ کرے، اس کو اجرت تو کیا دی جاتی بل کہ الٹا عتاب ہوتا ہے کہ کام کیوں نہ کیا؟

اسی طرح ہم سب مزدور ہیں اللہ تعالیٰ کے، رمضان میں ہم پر کچھ ذمے داری رکھی گئی ہے، اگر اس کو پورا کیا گیا تو اجرت وانعام ملے گا؛ ورنہ عتاب وعذاب ہوگا۔

عید ہماری ذمے داری اور ڈیوٹی

رمضان میں ہم پر کیا ذمے داری عائد کی گئی ہے؟

اس میں ایک ذمے داری تو روزوں کی ہے، کہ اللہ نے روزہ کو فرض قرار دیا ہے۔ دوسری ذمے داری رات میں قیام یعنی تراویح کی ہے، جو سنت مؤکدہ ہے۔ تیسرے آخری عشرے کا اعتکاف ہے، جو علی الکفایہ سنت مؤکدہ ہے۔ ان کے علاوہ نفلی طور پر تلاوت کلام اللہ اور ذکر اللہ وغیرہ بھی ہیں۔ یہ تو کرنے کے کام ہیں۔ اور بعض کام ایسے بھی ہمارے ذمے ہیں، جو نہ کرنے کے ہیں: جھوٹ، غیبت، لڑائی وجھگڑا وغیرہ حرام وناجائز کاموں سے بچنا اور پرہیز کرنا بھی لازم وضروری اور ہماری ذمے داری ہے۔

اگر کوئی شخص ان ذمہ داریوں کو نباہتا اور پورا کرتا ہے، تو وہ ''اللہ کا محنتی مزدور'' ہے اور عید کے دن بھرپور بدلہ پانے کا مستحق ہے اور جو شخص ان ذمے داریوں کو انجام نہیں دیتا، وہ اس کا مستحق نہ ہوگا، کہ بدلہ دیا جائے کیوں کہ وہ محنتی مزدور نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد

اسی بات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، جس کو ''نهج البلاغة'' میں جو کہ

آپ کے ملفوظات ومواعظ کا مجموعہ کہا جاتا ہے، اس میں نقل کیا ہے۔

آپ نے کسی عید کے موقعے پر فرمایا:

«إنما العيدُ لمن قَبِلَ الله صيامه، و شكر قيامه، و كل يوم لايعصى الله فيه؛ فهو عيد.» (۱)

(عید تو اس کی ہے، جس کے روزوں کو اللہ نے قبول فرمالیا ہو اور اس کی نماز کو منظور کرلیا ہو اور ہر وہ دن جس میں اللہ کی نافرمانی نہ کی جائے وہ عید کا دن ہے)

معلوم ہوا کہ جس نے روزوں کا حق ادا کر کے ان کو اس قابل بنا دیا، کہ وہ خدا کی نظر میں مقبول ہوں اور نمازوں کے حقوق کی رعایت کر کے ان کو ایسا بنا دیا، کہ خداوند تعالیٰ کے یہاں شرف قبولیت سے نوازی جائیں، تو عید کا دن اس کے لیے حقیقی مسرت کا دن ہوگا، اسی طرح بندہ خدا کی معصیت و نافرمانی کر کے خدا کو ناراض نہ کرے، تو ہر ایسا دن اس کے لیے عید ہے، جس میں خدا اس سے راضی ہے؛ ورنہ خدا کو ناراض کر کے اس کو کیا خوشی حاصل ہو سکتی ہے؟!

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ عید کے دن جا رہے تھے، کہ ایک جگہ چند لوگوں کو ہنستا کھیلتا دیکھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کو گھوڑ دوڑ کے میدان کی طرح بنایا ہے تا کہ بندے طاعت و عبادت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھیں، پس ایک قوم آگے بڑھی اور ایک گروہ پیچھے رہ گیا۔ تعجب ہے ان پر جو ہنستے کھیلتے ہیں، اس دن میں جس میں بعض لوگ عبادت میں آگے بڑھنے کی وجہ سے کامیاب ہو گئے اور بعض لوگ پیچھے رہ جانے کی وجہ سے گھاٹے میں رہے، جب حقیقت سے پردہ اٹھے گا؛ تو

(۱) شرح نہج البلاغۃ :۹۴۳

مقبول لوگ خوش ہوں گے اور مردود لوگ غم میں مبتلا ہوں گے۔ (۱)

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ان جملوں سے اسی طرف اشارہ کیا ہے، کہ عید کے دن خوش تو اس کو ہونا چاہیے جس نے رمضان میں بھاگ دوڑ کی ہو اور طاعت وعبادت کر کے مقبول بندوں میں شامل ہو گیا ہو، اگر ایسا نہیں کیا؛ تو پھر عید کا دن تو اس کی محرومی کا دن ہے اور غم منانے کا دن ہے؛ اس لیے کہ وہ انعام خداوندی سے محروم ہے اور محروم کیا خوشی منائے؟

رمضان میں ہماری غفلت

حاصل یہ کہ عید اصل میں اسی کی ہے، جو رمضان میں طاعات وعبادات، ریاضات و مجاہدات میں لگ کر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر کرتا ہے؛ مگر افسوس کہ آج ہم نے رمضان مبارک میں بھی غفلت شعاریوں اور طاعت وعبادت سے بے رغبتیوں کا وہی طریقہ اختیار کر رکھا ہے، جو غیر رمضان میں ہوتا ہے؛ بل کہ اس سے بڑھ کر یہ کہ رمضان کو دنیا میں زیادہ انہماک اور مشغولی کا مہینہ بنا لیا ہے، اس لیے دیکھا جاتا ہے، کہ لوگ رمضان میں زیادہ کمائی کی فکر کرتے ہیں، جو لوگ سال بھر روزانہ رات میں ۹/یا ۱۰/بجے اپنی دکانیں بند کر دیتے ہیں، وہ رمضان میں ۱۲/بجے؛ بل کہ بعض دو تین بجے تک اس میں مشغول رہتے ہیں، رمضان کی راتیں عبادت وطاعت کے نور سے فضا کو منور کرنے آتی ہیں؛ مگر یہاں بجلی کے قمقموں سے بازاروں کی زینت کا سامان کیا جاتا ہے اور لوگ عبادات کو چھوڑ کر بازاروں کی سیر وتفریح اور وہاں خرید و فروخت میں مشغول نظر آتے ہے اور اس میں خاص طور پر عورتوں کا بڑا حصہ

(۱) کیمیائے سعادت: ۹۵، احیاء العلوم: ۱/۲۳۶

ہے اور یہ سب کچھ عید کی تیاری کے عنوان سے کیا جاتا ہے۔

عید کے لیے ہماری تیاری کا حال

یہ تیاری کیا ہوتی ہے؟ صرف یہ کہ عمدہ لباس و پوشاک ، بہتر سے بہتر جوتے، اعلی ترین کھانوں کا انتظام یا ان چیزوں کی خاطر کمانے اور زیادہ سے زیادہ کمانے کی فکر، بعض لوگ ہر ہر چیز نئی خریدنے اور اعلی سے اعلی خریدنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسی میں سارا مہینہ خرچ ہو جاتا ہے، جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، یہ عید کی تیاری نہیں ہے۔ اسلام میں عید کی تیاری وہ ہے، جس کو ابھی عرض کیا کہ عبادات و ریاضات سے تیاری کی جائے، نیکیوں سے تیاری کی جائے، صدقہ اور خیرات سے تیاری کی جائے اور روحانی خوشی و مسرت کا انتظام کیا جائے۔

ہاں! اس روحانی مسرت کے اظہار کے لیے ظاہری طور پر نئے لباس و پوشاک اور عمدہ کھانوں کا اہتمام، اعتدال کے ساتھ کر لیا جائے تو حرج نہیں؛ مگر اصل کی فکر کو چھوڑ کر صرف ان ہی کے پیچھے پڑ جانا کوئی عقل مندی نہیں۔

عید الفطر

احادیث وفقہ کی روشنی میں

عید الفطر، اہل اسلام کی عظیم الشان عید ہے، جو رحمتوں اور برکتوں کو لے کر وارد ہوتی ہے، اگر چہ ہر قوم وملت کے پاس کچھ دن ضرور ایسے ہوتے ہیں، جن میں وہ عید مناتے اور خوشی ومسرت کا اظہار کرتے ہیں، مگر اسلامی عید سب سے نرالی وعجیب ہوتی ہے؛ غیر اقوام کی عید بے حیائی وبے شرمی کے مظاہروں، مجرمانہ کھیل تماشوں اور غفلت شعاریوں پر مشتمل ہوتی ہے، جب کہ اسلامی عید خدا کی خوشنودی ورضا طلبی کے جذبات سے پُر ہوتی ہے، بہترین اخلاق وپاکیزہ اوصاف کے مظاہروں پر مشتمل ہوتی ہے، انابت وتوجہ الی اللہ، للّٰہیت واخلاص، طاعت وعبادت، خشوع وخضوع کی کیفیات سے معمور ہوتی ہے اور آپسی ہم دردی وغم خواری، محبت ومؤدت، صلہ رحمی وحسن سلوک کی ضامن ہوتی ہے، اسی عید کے متعلق احادیث وآثار اور فقہ اسلامی کی روشنی میں چند احکامات کو مرتب کیا گیا ہے اور سرسری مطالعہ سے جو روایات سامنے آئیں ان کو لکھ دیا ہے، اگر چہ احکامات اور بھی بہت سے ہیں۔

اہل اسلام کے لیے عید کے دو دن

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، تو وہاں کے لوگوں کے نزدیک دو دن ایسے تھے؛ جن میں وہ کھیل تماشے میں مشغول ہوتے، آپ نے پوچھا کہ یہ دو دن کیا ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ان میں ہم زمانۂ جاہلیت سے کھیلا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

«إن الله قد أبدلكم بهما خيرا منهايوم الأضحى ويوم الفطر.» (۱)

(اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے ان دو دنوں کے بدلے دوسرے دن ان سے بہتر عطا فرمائے ہیں: ایک: عید الفطر، دوسرے: عید الاضحیٰ۔)

معلوم ہوا کہ اہل اسلام کی عید کے یہ دو دن ہیں۔ ایک عید الفطر کا دن، دوسرے عید الاضحیٰ کا دن اور یہ دو دن تمام قوموں اور ملتوں کے ایام عید سے بہتر و افضل ہیں، اس میں عید کے دن کے لیے خیر کا لفظ استعمال فرما کر اس طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ ان ایام میں ہر طرح کی بھلائی و خوبی خدا کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔

عید کے دن تجمل و زینت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن لال چادر پہنتے تھے۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ عید کے دن زینت و تجمل کا اختیار کرنا سنت ہے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن لال چادر کا اہتمام فرماتے تھے اور اس لال چادر سے مراد ایسی چادر ہے، جس میں لال لال دھاریاں ہوں، پوری لال اس سے مراد نہیں ہے، جیسا کہ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے ''زاد المعاد'' میں بیان فرمایا ہے۔

اور اس تاویل کی ضرورت اس لیے پڑی کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ لال لباس مرد کے لیے منع ہے مثلاً: حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو معصفر کپڑے دیکھے، تو فرمایا کہ یہ کفار

---

(۱) أبو داود: ۱/۱۶۱، نسائی: ۱/۲۳۱، اس کی سند صحیح ہے، بلوغ المرام: ۳۵
(۲) مجمع الزوائد: ۱/۲۲۱

کے کپڑے ہیں، ان کو مت پہنا کرو! حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں ان کو دھودوں؟ فرمایا کہ نہیں بل کہ ان کو جلا دو۔(۱)

اور معصفر کپڑا عموماً لال ہی ہوتا ہے چناں چہ ”فتح الباری“ میں ہے:

«فإن غالب مايصبغ بالمعصفر يكون أحمر.»(۲)

بہ ہر حال حدیث بالا سے معلوم ہوا کہ عید کے دن زیب و زینت کا اہتمام کرنا چاہیے، مگر اس میں غلو نہ کرے، کہ صرف کپڑوں اور جوتوں کی فکر میں پڑا رہے؛ بل کہ اپنے کپڑوں میں سے جو عمدہ ہیں، ان کو استعمال کرے جیسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا معمول امام بیہقی نے بہ سند صحیح نقل کیا ہے، کہ وہ عیدین میں اپنے سب سے عمدہ و بہتر کپڑے زیب تن فرماتے تھے۔(۳)

تنبیہ: عید کے دن نئے کپڑے ہی پہننا چاہیے، اس کا کوئی ذکر احادیث میں نہیں ملتا اور نہ فقہا کے کلام میں ملتا ہے، احادیث و آثار صحابہ سے؛ نیز حضرات فقہا کی عبارات سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ اپنے عمدہ کپڑے پہنے، لہذا آج عام رواج جو ہو گیا ہے، کہ عید کے لیے نئے کپڑے ہی ضروری سمجھے جاتے ہیں، اس کی اصلاح کرنا چاہیے۔

عید کے دن غسل کا استحباب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت فاکہ بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يغتسل يوم الفطر و يوم الأضحى.»

---

(۱) مسلم:۲/۱۹۳

(۲) فتح الباري:۱۰/۳۰۵

(۳) فتح الباري:۲/۴۳۹

(رسول اللہ ﷺ عیدالفطر وعیدالاضحیٰ کے دنوں میں غسل فرمایا کرتے تھے۔)(۱)

فقہا کرام نے بھی لکھا ہے کہ عید کے دن غسل کرنا مستحب ہے؛اس کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ عید کے دن غسل فرماتے تھے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح جمعہ کے دن اجتماع ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے احادیث میں غسل کو پسندیدہ قرار دیا گیا ہے،اسی طرح عید میں بھی اجتماع ہوتا ہے،تو عید کے دن بھی اس بنا پر پاکی صفائی کا اہتمام پسندیدہ ہے۔(۲)

فقہا میں سے مالکیہ،حنابلہ اور شافعیہ،عید کے دن غسل کو مستحب قرار دیتے ہیں اور احناف میں سے بھی بعض نے اپنی کتب میں اس کو مستحب شمار کیا ہے۔جیسے''کنز الدقائق''، ''المنار''وغیرہ میں ہے اور جمہور علما حنفیہ کے نزدیک غسل عیدین سنت ہے۔(۳)

اور اسی کے ساتھ عطر وخوشبو کا استعمال بھی مستحب ہے،جیسا کہ'' الفقہ علی المذاھب'' میں ہے کہ یہ مالکیہ،حنابلہ وشافعیہ کے نزدیک مستحب ہے اور حنفیہ کے نزدیک سنت ہے۔

عیدگاہ جانے سے پہلے کھجور کھانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«كان رسول الله ﷺ لايغدو يوم الفطر حتى يأكل تمرات.»

(۱) ابن ماجه:۹۳
(۲) قاله صاحب الهداية:۱/۱۵۳
(۳) الفقه على المذاهب الأربعة:۱/۳۵۰

(رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عیدالفطر کے دن نہیں جاتے تھے، جب تک کہ کھجور نہ کھاتے تھے۔)(۱)

اور حضرت بریدہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عیدالفطر کے دن نہیں نکلتے تھے، جب تک کہ نہ کھا لیتے اور عیدالاضحیٰ میں کھاتے نہیں تھے، جب تک کہ عید کی نماز نہ پڑھ لیتے۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ عیدالفطر میں عیدگاہ جانے سے قبل کچھ کھا لینا سنت ہے، بہتر یہ ہے کہ کھجور کھائیں اور بعض روایات میں ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم تین، پانچ یا سات کھجور کھاتے تھے یا اس سے کم یا زیادہ، مگر طاق عدد استعمال فرماتے تھے۔(۳)

لہٰذا طاق عدد کھجور استعمال کیے جائیں اور بعض علما نے مطلق میٹھی چیز کو مستحب قرار دیا ہے۔ ابن حجر رَحِمَہُ اللّٰہُ نے فرمایا کہ بعض تابعین نے کسی بھی میٹھی چیز جیسے شہد کھانے کو پسند کیا ہے اور ابن ابی شیبہ رَحِمَہُ اللّٰہُ نے حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بن قرۃ اور ابن سیرین وغیرہ سے اس کو روایت کیا ہے۔(۴)

اور عیدالفطر میں کھا کر جانے کی حکمت یہ ہے کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ عید کی نماز تک روزہ لازم ہے اور بعض نے یہ فرمایا کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ روزوں کے بعد جب عید کے دن روزہ نہ رکھنا ضروری قرار دیا گیا، تو یہ بات مستحب قرار پائی کہ اللہ

---

(۱) البخاري:۱/۱۳۰

(۲) الترمذي:۱/۱۲۰ بلوغ المرام:۳۴

(۳) فتح الباري:۲/۴۴۷

(۴) فتح الباري:۲/۴۴۷

کے حکم کی تعمیل میں جلدی کرتے ہوئے کچھ کھالے۔(واللہ اعلم)

انتباہ: عید الفطر کی صبح عوام میں سویاں (شیر خورما) پکانے کا رواج ہے، اس کو ضروری خیال کرنا اور عید کے دن اس کی تخصیص والتزام کرنا غلط ہے؛ حدیث سے تو کھجور کا ثبوت خصوصیت کے ساتھ ملتا ہے، اگر میسر نہ آئے تو کسی اور میٹھی چیز کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔ خواہ وہ شیر خورما ہو یا کچھ اور؛ مگر شیر خورما ہی کو مخصوص طور پر اہتمام والتزام کے ساتھ پکانا من گھڑت بات ہے، احقر نے اس مسئلے پر اپنے رسالے ''منکرات رمضان'' میں ذرا تفصیل سے لکھا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

عیدگاہ جانے سے قبل صدقۂ فطر ادا کرنا

عیدگاہ جانے سے پہلے صدقۂ فطر بھی ادا کرنا ضروری ہے، پہلے چند حدیثیں ملاحظہ کیجیے۔

(۱) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور کو صدقۂ فطر میں ہر چھوٹے اور بڑے، آزاد اور غلام پر فرض کیا ہے۔(۱)

(۲) حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تین قسم کی چیزوں سے صدقۂ فطر؛ ہر چھوٹے اور بڑے، آزاد و غلام کی طرف سے نکالتے تھے، ایک صاع کھجور، ایک صاع پنیر اور ایک صاع جو، ہم اسی طرح نکالتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گیہوں کا آدھا صاع کھجور کے ایک صاع کے برابر ہے، حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں پہلے جیسا

---

(۱) البخاري:۱/۲۰۴، مسلم:۱/۳۱۷، الترمذي:۱/۱۴۵، النسائي:۱۶۱، ۳۴۲

نکالتا تھا ویسا ہی نکالوں گا۔(۱)

فائدہ : پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ گھر کے ہر چھوٹے بڑے، غلام و آزاد پر صدقۂ فطر ہے، البتہ نابالغ اولاد کی طرف سے خود ان کے مال سے یا اپنے مال سے جب کہ ان کا مال نہ ہو، باپ ادا کرے گا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کھجور یا جو کے حساب سے ایک صاع صدقۂ فطر میں دینا چاہیے اور دوسری حدیث سے بھی اس کا علم ہوا اور دوسری حدیث سے مزید یہ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے زمانے میں عام طور پر صرف تین چیزوں سے صدقۂ فطر نکالا جاتا تھا: کھجور، پنیر اور جو؛ مگر بعد میں جب گیہوں کا عام رواج ہو گیا، تو حضرت امیر معاویہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نے فرمایا کہ کھجور کے ایک صاع کا مقابلہ گیہوں کے آدھے صاع سے ہو جاتا ہے، وجہ یہ ہے کہ گیہوں مہنگی ہے، لہذا اکثر صحابہ و تابعین نے اسی کو اختیار فرمایا؛ البتہ بعض صحابہ نے حضرت امیر معاویہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ نہیں ہم گیہوں سے بھی ایک ہی صاع دیں گے، لہذا یہ اختلافی مسئلہ ہے، احناف نے بھی حضرت امیر معاویہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کے قول پر عمل اختیار فرمایا ہے ؛لہذا گیہوں نصف صاع یا اس کی قیمت صدقۂ فطر میں دینا چاہیے، اب رہی یہ بات کہ نصفِ صاع آج کے حساب سے کتنے کلو ہوتے ہیں؟ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنے رسالہ ''اوزان شرعیہ'' میں اس کی تحقیق کر کے بتایا ہے کہ نصفِ صاع پونے دو سیر کے برابر ہوتا ہے اور اس کو اگر کلو، گرام کے حساب میں تبدیل کریں تو پونے دو کلو سے کچھ کم ہوتے ہیں، اور احتیاطاً پونے دو کلو دے دینا چاہیے، جیسا کہ میرے استاذ مولانا مہربان علی صاحب زید مجدہ اپنے رسالہ ''امداد الاوزان'' میں تحقیق فرمائی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آج کل جو بعض چارٹ میں صدقۂ فطر کی

---

(۱) مسلم:۱/ ۳۱۸، النسائي:۱/ ۳۴۷، أبو داود:۱/ ۲۲۸، الترمذي:۱/ ۱۴۵، البخاري:۱/ ۲۰۴

مقدار سوا دو کلو یا ڈھائی کلو لکھی ہے، وہ صحیح نہیں ہے، البتہ کوئی اپنی خوشی سے زیادہ دیدے تو درست ہے؛ مگر وجوب صرف پونے دو کلو کا ہوگا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگوں کے نماز عید کو نکلنے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کیا جائے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صدقۂ فطر نمازِ عید کو جانے سے پہلے ادا کر دینا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس نے صدقۂ فطر نماز عید سے پہلے ادا کیا، تو وہ صدقۂ مقبولہ ہے اور جو بعد نماز ادا کرے تو وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔(۲)

لہذا عیدگاہ جانے سے قبل صدقہ دے دینا چاہیے، اگر کسی نے عیدگاہ جانے سے قبل ادا نہ کیا، تو اس سے یہ معاف نہ ہوگا بلکہ بعد میں دینا پڑے گا۔(۳)

افادہ: اگر صدقۂ فطر عید سے دو تین دن پہلے ہی دے دے تو اور اچھا ہے؛ کیوں کہ اس میں مساکین وفقرا کے لیے سہولت ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا پہلے سے انتظام کر سکیں گے، اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ ایک دو دن پہلے صدقۂ فطر ادا کر دیتے تھے، چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت نافع سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کے دور میں صدقۂ فطر ایک دو دن پہلے دے دیا جاتا تھا۔(۴)

”فتح الباري“ میں ہے کہ ابن خزیمہ کی روایت میں آیا ہے کہ ایوب رضی اللہ عنہ نے نافع سے پوچھا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ صدقۂ فطر کب تک ادا کرتے تھے؟ نافع نے فرمایا کہ جب صدقہ وصول کرنے والا عامل وصولی بند کرتا، اس وقت تک ادا کر دیتے،

---

(۱) مسلم:۱/۳۱۸
(۲) أبو داؤد:۱/۲۲۷، ابن ماجه:۱۳۱
(۳) الهداية:۱/۱۹۱
(۴) البخاري:۱/۲۰۵

پوچھا کہ عامل کب بند کرتا تھا؟ بتایا کہ عید سے ایک یا دو دن پہلے۔

اور امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہ کی ''موطا'' میں یہ روایت ہے کہ ابن عمر ﷺ وصول کرنے والوں کے پاس صدقۂ فطر عید سے دو تین دن قبل بھیج دیتے تھے۔(۱)

مسئلہ: صدقۂ فطر ہر اس مسلمان پر واجب ہے، جو آزاد ہو اور حاجت اصلیہ سے زائد نصاب کا مالک ہو اور نصاب وہی ہے، جو زکاۃ کا ہے کہ ساڑھے سات تولے (یعنی ۸۷ گرام، ۴۷۹ ملی گرام) سونا یا ساڑھے باون تولے (یعنی ۶۱۲ گرام، ۳۵ ملی گرام) چاندی ہو یا اس کے برابر روپیہ پیسہ ہو، یا زائد از ضرورت مال سامان ہو، تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے، اگر چہ اس پر ایک سال نہ گزرا ہو اور اگر چہ وہ مال تجارت کا بھی نہ ہو۔

صدقۂ فطر کی مقدار گرام کے حساب سے

یہ بات معلوم ہے کہ ایک سیر ۹۳۳ گرام، ۱۲۰ ملی گرام کے برابر ہوتا ہے اور ایک ماشہ ۹۷۲ ملی گرام کا ہوتا ہے، اس حساب سے پونے دو سیر تین ماشہ کو گراموں میں تبدیل کرنے سے صدقۂ فطر کی مقدار گیہوں کے حساب سے ایک کلو چھ سو پینتیس (۱۳۵) گرام آٹھ سو بہتر (۸۷۲) ملی گرام ہوتی ہے اور مزید احتیاط کے لیے بہتر ہے کہ ایک کلو سات سو پچاس (۷۵۰) گرام دے دیا جائے، یعنی پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت دے دی جائے، اگر کوئی اس سے زیادہ دے دے تو جائز ہے؛ البتہ واجب وہی مقدار ہے، جس کا ابھی ذکر کیا گیا۔ یہ مقدار گیہوں کے حساب سے ہے اور اگر کوئی جو یا کھجور دینا چاہے، تو اس کا دو گنا یعنی ساڑھے تین کلو دینا چاہیے اور ان مذکورہ چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز مثلاً: چاول دینا ہو، تو پونے دو کلو گیہوں یا ساڑھے تین کلو جو کی

(۱) فتح الباري: ۳/۳۷۶

قیمت کے برابر چاول وغیرہ دینا چاہیے۔

صدقۂ فطر کا مصرف

صدقۂ فطر ان لوگوں کو دینا چاہیے جن کو زکوۃ دی جاتی ہے جیسے فقیر مسکین وغیرہ۔
صدقۂ فطر کافر کو دینے کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علما نے اجازت دی ہے:
مگر فتوی اس پر ہے کہ نہ دینا چاہیے۔(۱)

پھر یہ اختلاف بھی اس کافر کے متعلق ہے، جو اسلامی حکومت کے سائے میں جزیہ دے کر زندگی گذارتا ہے، جس کو اصطلاح میں ''ذمی'' کہتے ہیں اور جو ذمی نہ ہو؛ بل کہ دارالحرب کا کافر ہو، اس کو دینا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔(۲)

سید کو صدقۂ فطر نہ دینا چاہیے البتہ یہ چوں کہ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کی مدد و نصرت دوسرے نفلی صدقات اور تحائف و ہدایا کے ذریعے کرنا بہت بڑے ثواب کی بات ہے۔

عید صدقۂ فطر کی قیمت بازار کے حساب سے لگائی جائے

اس جگہ ایک اہم مسئلہ ذکر کرنا ہے، وہ یہ کہ بڑے شہروں اور قصبات میں لوگوں کی سہولت کے لیے کنٹرول ریٹ پر اناج غلہ دیا جاتا ہے اور اس رعایت کا مستحق وہ ہوتا ہے جس نے ''راشن کارڈ'' بنالیا ہو، عام بازاری قیمت کے لحاظ سے راشن کارڈ پر دیا جانے والا اناج بہت سستا ہوتا ہے۔سوال یہ ہے کہ جو لوگ کنٹرول ریٹ کے گیہوں کھاتے ہیں، وہ صدقۂ فطر اگر قیمت کے لحاظ سے دینا چاہیں، تو کیا اسی کنٹرول

(۱) الدر المختار مع الشامي:۲/۳۵۲

(۲) الدر المختار مع الشامي:۲/۳۵۲

ریٹ کے حساب سے دینا کافی ہوگا؟ اس مسئلے پر میں نے اپنی کتاب ''رمضان اور جدید مسائل'' میں کلام کیا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کنٹرول ریٹ گیہوں خرید کر گیہوں ہی پونے دوکلو دے دے تو درست ہے؛ لیکن اگر صدقۂ فطر قیمت سے دینا ہو، تو عام بازاری قیمت کا اعتبار ہوگا؛ کنٹرول ریٹ کا اعتبار نہیں؛ کیوں کہ فقیر آدمی اگر اس رقم سے پونے دوکلو گیہوں بازار سے خریدنا چاہے، تو نہیں خرید سکتا؛ بل کہ پونے دوکلو سے کم گیہوں آئیں گے اور ہر آدمی کے پاس راشن کارڈ ہونا ضروری نہیں؛ اس لیے عام بازار کی قیمت دینا چاہیے؛ تاکہ اگر وہ فقیر آدمی بازار سے پونے دوکلو گیہوں خریدنا چاہے، تو اس رقم سے خرید سکے۔ (واللہ اعلم)

عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیر پڑھنا

حضرت زہری رَحِمَہُ اللّٰہُ سے مرسلاً روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عیدالفطر میں نکلتے تھے اور اپنے گھر سے نکلنے کے وقت سے عیدگاہ جانے تک تکبیر پڑھتے تھے۔ (۱)

"إعلاء السنن" میں اس کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ ''ابن ابی شیبہ'' کی سند مرسل ہونے کے ساتھ صحیح ہے اور مرسل روایت (جس میں صحابی کا واسطہ متروک ہوتا ہے) ہمارے نزدیک حجت ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک بھی حجت ہے، جب کہ دوسرے طریق سے اس کی تائید ہوتی ہو۔ (۲)

ائمہ احناف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ عیدگاہ کے راستے میں تکبیر کہتے

---

(۱) التلخیص الحبیر :۱/۴۳

(۲) إعلاء السنن:۸/۹۷

ہوئے جانا چاہیے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی یہی تھا جیسا کہ ابن حجر رحمۃ اللہ نے بہ روایت دارقطنی و بیہقی نقل فرمایا ہے۔(۱)

عیدگاہ جانا اور نماز عید میں جلدی کرنا

حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ لوگوں کے ساتھ عیدگاہ تشریف لے گئے عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ کا موقعہ تھا، امام نے تاخیر کردی، تو فرمایا کہ ہم تو اس وقت تک فارغ ہوجایا کرتے تھے اور یہ تسبیح (یعنی نفل نماز) کا وقت تھا۔(۲)

علما نے لکھا ہے کہ عیدالاضحیٰ میں عیدالفطر کی بہ نسبت جلدی جانا چاہیے، عیدالفطر میں اس وقت جائے، جب کہ سورج دو نیزے کی بہ قدر بلند ہو جائے اور عیدالاضحیٰ میں اس وقت جب کہ سورج ایک نیزہ بلند ہو۔ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول بتایا ہے اور اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ ابن حجر نے ''التلخیص'' میں اس کو ذکر کیا ہے اور اس پر کلام نہیں کیا اور فرمایا کہ یہ اس باب میں سب سے اچھی روایت ہے۔(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے علاقوں میں جو عام طور پر عیدالفطر کی نماز بہت تاخیر سے پڑھتے ہیں، یہ اچھا نہیں ہے اور عیدالاضحیٰ کو تاخیر سے پڑھنا تو اور بُرا ہے۔

نماز عید سے پہلے نفل نماز نہیں ہے

اصحاب صحاح اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

---

(۱) الدرایة مع الهدایة:۱/۱۵۳

(۲) ابو داود:۱/۱۶۱

(۳) نیل الأوطار:۳/۳۱۰

«أنّ النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم صلی یوم العید رکعتین لم یصل قبلهما و لا بعدهما.»

(رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے عید کے دن دو رکعتیں (عید کی) پڑھیں اوران سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھی اور نہ بعد میں پڑھی۔)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ عیدگاہ میں صرف دو رکعت عید کی نماز پڑھی جائے گی، کوئی اور نماز نہ اس سے پہلے ہے نہ اس کے بعد، اسی طرح گھر میں بھی عید سے پہلے کوئی نماز نفل نہیں پڑھنا چاہیے، البتہ عیدگاہ سے آنے کے بعد چاہے، تو نفل گھر پر پڑھنے کی اجازت ہے، حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عید سے پہلے کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے: البتہ جب گھر لوٹ جاتے تو دو رکعت پڑھتے، ابن حجر رَحِمَهُ اللهُ نے "بلوغ المرام" میں اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ (۲)

نماز عید کے لیے عیدگاہ جانا چاہیے

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عید الفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف نکلتے تھے الخ۔ (۳)

ابن حجر رَحِمَهُ اللهُ نے فرمایا کہ اس حدیث سے عیدگاہ جانے کے استحباب پر استدلال کیا گیا ہے اور اس پر کہ عید کی نماز عیدگاہ میں جا کر پڑھنا، مسجد میں پڑھنے سے افضل ہے۔ (۴)

(۱) بلوغ المرام:۸۴

(۲) بلوغ المرام:۸۴

(۳) البخاري:۱/۱۳۱

(۴) فتح الباري:۲/۴۵۰

البتہ کوئی عذر ہو، تو مسجد میں بھی عید کی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

《أنهم أصابهم مطرفي يوم عيد، فصلى بهم النبي صلى الله عليه وسلم صلاة العيد في المسجد》.

(ایک دفعہ بارش ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز مسجد میں پڑھائی۔)(۱)

صاحب ''عون المعبود'' نے لکھا ہے کہ اس روایت پر ابوداؤد اور امام منذری دونوں نے سکوت کیا ہے۔(۲)

لہذا روایت قابل اعتبار اور کم از کم حسن ہوگی، جیسا کہ معلوم ہے کہ یہ حضرات سکوت اسی وقت کرتے ہیں جب کہ ان کے نزدیک روایت کم از کم حسن ہو، لہذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو'' بلوغ المرام ''میں اس کی ''تضعیف'' کی ہے، یہ مضر نہیں۔

عیدگاہ پیدل جانا سنت ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من السنة أن يخرج إلى العيد ما شياً .

(سنت یہ ہے کہ عید کے لیے پیدل جائے اور جانے سے پہلے کچھ کھالے۔)(۳)

اسی طرح حضرت سعد رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے لیے پیدل جاتے تھے۔(۴)

---

(۱) أبو داود:۱/۱۶۴

(۲) إعلاء السنن :۸/۹۱

(۳) الترمذی :۱/۱۱۹

(۴) ابن ماجه :۹۲

امام ترمذی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے، کہ وہ عید گاہ کو پیدل جانا مستحب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سواری پر نہ جائے اِلّا یہ کہ کوئی عذر ہو۔

لہٰذا بلا عذر سواری پر نہ جانا چاہیے؛ تاکہ سنت سے محرومی نہ ہو جائے، ہاں کوئی عذر ہو مثلاً کوئی بیمار ہے، جو چلنے سے معذور ہے؛ تو اس کے لیے گنجائش ہے کہ وہ سواری کرلے، اسی طرح جو بہت دور سے آئے تو اس کے لیے بھی گنجائش ہے، علامہ یوسف بنوری رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ ایسے اعذار والوں کو فقہا نے مستثنیٰ رکھا ہے۔(۱)

ایک راستہ سے جانا اور دوسرے راستہ سے آنا

حدیث میں آیا ہے:

«كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا كان يوم العيد خالف الطريق».

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ کو ایک راستے سے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس ہوتے)۔

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے (۱/۱۳۴) امام ترمذی رحمۃ اللہ نے سنن (۱/۱۲۰) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور امام ابو داودؒ نے سنن (۱/۱۶۳) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

اس میں کیا حکمت ہے؟ ابن حجر رحمۃ اللہ نے علما سے بیس سے زائد اقوال اس سلسلے میں ذکر کیے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اہل اسلام کی شان و شوکت بتانے کے لیے ایسا فرمایا، کہ لوگ جب دیکھیں گے کہ مسلمان ادھر کے راستہ پر بھی تھے، اب یہاں بھی ہیں، تو کثرت سے مرعوب ہوں گے، ایک حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ راستہ

(۱) معارف السنن شرح الترمذی: ۴/۲۴۶

گواہ بن جائے، جہاں جہاں سے اللہ کے لیے گزرنا ہوگا وہ راستہ چلنے والے کے حق میں گواہی دے گا۔(واللہ اعلم)

عید کی مبارک بادی دینا

ابن حجر رحمہ اللہ نے حضرت جبیر بن نفیر سے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب عید کے دن ملاقات کرتے ،تو آپس میں ایک دوسرے کو یوں کہتے :تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنْکَ . (اللہ ہمارے اور تمہارے اعمال کو قبول کرے۔)(۱) یہ روایت حسن ہے۔

معلوم ہوا کہ صحابہ آپس میں دعا دیتے تھے، اسی کو اختیار کرنا چاہیے یہی بڑی مبارک بادی ہے۔

(۱) فتح الباري :۲/۴۴۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نماز عید

نماز عید کا وجوب

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نماز عیدین واجب ہے اور دیگر بعض ائمہ کے نزدیک سنت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب شوال کا چاند نظر آ جائے تو مسلمانوں پر حق (واجب) ہے کہ وہ اللہ کی تکبیر یعنی بڑائی کا اظہار کریں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰه﴾ کہ اللہ کی تکبیر بیان کرو۔(۱)

نیز اللہ کے نبی علیہ السلام نے نماز عید پر ہمیشہ پابندی کی ہے جو اس کے واجب ہونے کی دلیل ہے، صاحب ہدایہ نے اسی سے نماز عید کے وجوب پر استدلال کیا ہے اور اللہ کے نبی علیہ السلام کا اس کی پابندی فرمانا احادیث سے معلوم و مسلّم ہے، صاحب'' نصب الرایہ''علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ بات معروف ہے۔(۲)

کیا عورتوں پر نماز عید ہے؟

کیا نماز عید عورتوں پر بھی واجب ہے؟ اس بارے میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے ''نیل الأوطار'' میں عورت پر نماز عید کے متعلق علما کے

(۱) تفسیر الطبري:۲/۱۶۴
(۲) نصب الرایۃ:۲/۲۱۶

پانچ اقوال ذکر فرمائے ہیں:

(۱) عورتوں پر نمازِ عید مستحب ہے، چاہے عورت جوان ہو یا بوڑھی۔

(۲) بوڑھی عورت پر مستحب ہے، جوان پر نہیں، جمہور شوافع کا یہی قول ہے۔

(۳) عورتوں کے لیے نمازِ عید صرف جائز ہے، مستحب نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ کا یہی قول ہے۔

(۴) عورتوں کے لیے نمازِ عید مکروہ ہے، امام ترمذی نے سفیان ثوری اور ابن المبارک رحمہم اللہ سے یہی قول نقل کیا ہے اور امام مالک و ابو یوسف رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے اور ابن قدامہ نے امام نخعی اور یحیٰی بن سعید رحمہم اللہ سے بھی اسی کو نقل کیا ہے۔

(۵) عورتوں پر نمازِ عید کے لیے عیدگاہ جانا واجب ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے حضرت ابو بکر، علی اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے یہی قول نقل کیا ہے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ اکثر علما عورتوں پر نمازِ عید کے وجوب کے قائل نہیں ہیں اور جن احادیث میں یہ آیا کہ عورتوں کو عیدگاہ جانے کا حکم دیا جاتا تھا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک و مسعود دور کی بات ہے، بعد میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جلیل القدر حضرات نے عورتوں کو جماعت میں حاضر ہونے سے منع فرما دیا، جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان (بے پردگی و بے حیائی کی) باتوں کو دیکھتے، جو عورتوں نے پیدا کر لی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مسجد میں آنے سے ضرور منع کر دیتے، جیسے بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا۔''(۲)

اور جیسے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہ ایک دفعہ انھوں نے جمعہ میں عورتوں کو مسجد

---

(۱) نیل الأوطار: ۳/ ۳۰۵

(۲) مسلم: ۱/ ۱۸۳، أبو داود: ۱/ ۸۴

سے نکلتے دیکھا تو فرمایا کہ تم اپنے گھروں کی طرف جاؤ، یہ بہتر ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نئے نئے اسلام میں آنے والے لوگوں میں ایسی باتیں پیدا ہوگئی تھیں؛ جن کی بنا پر صحابہ کرام نے عورتوں کو مسجد اور جماعت میں حاضر ہونے سے منع فرمایا، لہذا عورت کا عیدگاہ جانا معیوب ہے، جب اُس زمانے کی یہ حالت ہے، تو موجودہ دور میں بھلا یہ کیسے معیوب نہ ہوگا؟!!

نمازِ عید میں زائد تکبیرات

نمازِ عید میں عام نمازوں کے اعتبار سے کچھ تکبیرات زائد ہوتی ہیں، یہ تکبیریں کتنی ہیں؟ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی رکعت میں زائد تین تکبیریں ہیں اور دوسری میں بھی زائد تین تکبیریں ہیں، چناں چہ حدیث میں ہے کہ سعید ابن العاص، ابو موسیٰ اشعری اور حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر میں تکبیر کس طرح کہتے تھے؟ تو حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا چار تکبیریں کہتے تھے جیسا جنازے کی نماز میں آپ کی تکبیر ہوتی تھی۔ (۲)

اس حدیث کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے روایت کر کے سکوت فرمایا ہے، اسی طرح منذری رحمہ اللہ نے بھی سکوت فرمایا ہے، بعض حضرات نے اس کے ایک راوی ابو عائشہ کو مجہول اور دوسرے راوی عبد الرحمان بن ثوبان کو ضعیف قرار دیا ہے؛ لیکن یہ دونوں باتیں صحیح نہیں اس لیے کہ ابو عائشہ سے مکحول اور خالد بن معدان نے روایت کی ہے اور جس سے دو راوی روایت کریں، وہ مجہول نہیں ہوتا اور ابن حجر

---

(۱) مجمع الزوائد:۱/۱۵۶

(۲) أبو داود:۱/۱۶۳، أحمد:۴/۴۱۶، الطحاوي:۲/۳۳۳، البیهقي:۵/۶۹

رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ''التقریب'' میں ان کو مقبول قرار دیا ہے، رہے عبد الرحمان بن ثوبان: تو ان کو متعدد ائمہ فن نے ثقہ قرار دیا ہے، لہٰذا یہ مختلف فیہ راوی ہیں، جن کی حدیث حسن سے کم نہ ہوگی۔ (۱)

نیز امام طحاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے حضرت قاسم سے روایت کی، انھوں نے فرمایا: مجھ سے بعض صحابہ نے بیان فرمایا کہ ہم کو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے عید کی نماز پڑھائی، تو چار چار تکبیریں کہی، پھر نماز کے بعد ہماری طرف پھر کر فرمایا کہ بھول نہ جانا، یہ جنازے کی تکبیر کی طرح ہے، پھر اپنے انگوٹھے کو بند کر کے چار انگلیوں سے اشارہ فرمایا، امام طحاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے فرمایا اس کی سند حسن ہے۔ (۲)

اِن احادیث سے معلوم ہوا کہ عید میں پہلی رکعت میں چار تکبیریں اور دوسری میں چار تکبیریں ہوتی ہیں، جن میں سے ایک ایک تو اصل ہے اور تین تین زائد، نیز حضرات صحابہ سے بھی مروی ہے، کہ عید میں تکبیریں چار ہوتی ہیں، چناں چہ حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے فرمایا کہ تکبیریں چار ہیں، جیسا کہ نماز جنازہ میں۔ (۳)

نماز عید کے لیے اذان واقامت نہیں ہے

نماز عید کے لیے نہ اذان ہے اور نہ اقامت، چناں چہ حضرت جابر بن سمرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ بارہا نماز عیدین پڑھی ہے، جو اذان واقامت کے بغیر ہوتی تھی۔ (۴)

---

(۱) تهذيب التهذيب:۶/۱۵۰

(۲) الطحاوي:۲/۳۴۳

(۳) مجمع الزوائد:۱/۲۲۳

(۴) مسلم:۱/۲۹۰

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عیدین میں نہ اذان ہے اور نہ اقامت ہے۔(۱)

نماز عید پہلے اور خطبہ بعد میں ہو

نماز عید پہلے پھر اس کے بعد خطبہ ہونا چاہیے، یہی سنت ہے، چناں چہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔(۲)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، حضرت ابو بکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ عید میں حاضر ہوا، یہ سب حضرات خطبہ سے پہلے نماز عید پڑھتے تھے۔(۳)

نماز عیدین کی مسنون سورتیں

نماز عیدین میں جو سورت چاہے پڑھی جا سکتی ہے، البتہ بعض سورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہونے کی وجہ سے مستحب ہیں۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی﴾ اور ﴿هَلْ اَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ﴾ پڑھتے تھے۔(۴)

اور حضرت ابو واقد لیثی فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان

(۱) کنز العمال:۴/۳۱۵
(۲) المسلم :۱/۲۹۰،البخاري:۱/۱۳۱
(۳) مسلم :۱/۲۸۹،بخاری:۱/۱۳۱
(۴) مجمع الزوائد:۱/۴۲۲

سورتوں کے بارے میں پوچھا جو اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عید میں پڑھتے تھے، میں نے کہا کہ ﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ﴾ اور ﴿قٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ﴾ (۱)

تکبیرات عیدین میں ہاتھ اٹھانا چاہیے

امام طحاوی رَحِمَہُ اللّٰہُ نے ابراھیم نخعی رَحِمَہُ اللّٰہُ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ سات جگہ ہاتھ اٹھائے جائیں، ان میں سے ایک تکبیرات عیدین کا موقعہ ذکر کیا ہے۔ (۲)

یہ اگرچہ ایک تابعی بزرگ کا قول ہے؛ مگر اس کی تائید حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللّٰہ عنہما کے عمل سے ہوتی ہے، چناں چہ حضرت عمر رضی اللّٰہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ تکبیرات میں ہاتھ اٹھاتے تھے، اس کو بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (۳)

اس میں اگرچہ یہ نہیں ہے کہ یہ کون سی تکبیرات کا قصہ ہے؛ تاہم ابن حجر رَحِمَہُ اللّٰہُ نے اس کو عیدین کے باب میں ذکر کیا ہے اور علامہ ابن القیم رَحِمَہُ اللّٰہُ نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھاتے تھے۔ (۴)

نماز عید کا طریقہ

نماز عید کا طریقہ یہ ہے کہ اول دل سے نیت کرے، کہ میں دو رکعت عید الفطر کی واجب نماز امام کی اقتدا میں ادا کرتا ہوں چھ زائد تکبیرات کے ساتھ؛ مگر نیت کو زبان

---

(۱) مسلم:۱/۲۹۱

(۲) الطحاوي:۱/۳۹۱، اس کی سند صحیح ہے، إعلاء السنن:۸/۱۱۵

(۳) التلخیص الحبیر:۱/۱۴۵

(۴) زاد المعاد:۱/۳۴۳

سے کہنا ضروری نہیں اور حضور اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت بھی نہیں ہے؛اس لیے صرف دل سے نیت کرنا کافی ہے،زبان سے کہہ لے تو حرج نہیں۔

اس کے بعد پہلی تکبیر (جس کو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں) کہتے ہوئے اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھا کر باندھ لیں،جیسے کہ عام نمازوں میں باندھتے ہیں اور حسب معمول ثنا پڑھیں،پھر دوسری تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور چھوڑ دیں،اسی طرح تیسری تکبیر پر بھی ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیں؛پھر چوتھی تکبیر پر ہاتھ اٹھا کر ناف کے نیچے حسب معمول باندھ لیں،پھر قرأت کریں جس میں ﴿سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ﴾ اور کوئی سورت پڑھیں،پھر حسب معمول رکوع وسجدہ کر کے دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوں اور قرأت کریں،جب ﴿سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ﴾ اور کوئی سورت پڑھ چکیں تو اب رکوع میں نہ جائیں بل کہ تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائیں اور کانوں تک لے جا کر چھوڑ دیں،اسی طرح دوسری وتیسری تکبیر پر بھی کریں کہ ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیں اور چوتھی تکبیر پر رکوع میں چلے جائیں اور حسب معمول نماز پوری کریں،یہ ہے نماز عید کا طریقہ۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان مفتاحی

مکتبہ مسیح الامت

انحطاط و پریشانیوں

کے اسباب اور راہِ عمل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

الحمد للّٰہ رب العٰلمین، والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین.

اما بعد: آج امت مسلمہ کی زبوں حالی و پریشانی، اس پر یہود ونصاری، کفار ومشرکین کی جانب سے ظلم وتشدد، اپنی انتہاء کو پہنچ رہا ہے۔ دنیا بھر میں اس کے خلاف سازشوں کا جال بچھا دیا گیا ہے، اسی کے ساتھ پولس جس کو محافظ ہونا چاہئے تھا وہ بھی ظالموں کا ساتھ دیتی اور مظلوموں پر مزید ظلم ڈھاتی ہے۔ ایک طرف تو یہ صورتحال ہے اور دوسری طرف امت بحیثیت مجموعی انتہائی کمزور، بے بس اور نہتی نظر آتی ہے، جس کے پاس اپنے اوپر ہونے والے مظالم ومصائب کے دفعیہ کا کوئی سامان نہیں، وہ اپنا دفاع بھی کرے تو اس کو ظالم قرار دیا جاتا ہے۔

ہمارا ماضی اور حال

دورِ رسالت وصحابہ سے تقریباً ایک ہزار برس تک اہل اسلام کو جو عروج واقبال نصیب ہوا ہے اور اسلام کے زیر سایہ ان کی حکومت کو جو آب وتاب اور شان وشوکت حاصل ہوئی اور تقریباً پوری دنیا پر ان کا جو رعب ودبدبہ اور اقتدار قائم تھا، یہ سب ایک ایسی حقیقت ہے جس کی گواہی اپنے ہی نہیں غیر بھی دیتے ہیں۔

لیکن (سنہ: ۱۷۰۰ء مطابق: ۱۱۰۰ھ کے) بعد سے مسلمانوں میں جو انحطاط

اور کمزوری پیدا ہوئی وہ مسلسل بڑھتی ہی چلی گئی اور بڑھتی ہی جا رہی ہے، اور ان کا یہ انحطاط زندگی کے تمام شعبوں میں رونما ہوا ہے عملی، اخلاقی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی ہر شعبہ اس سے متاثر ہے اور اس نے بڑھتے بڑھتے ہم کو اس پوزیشن اور حیثیت میں لا کھڑا کیا ہے کہ ہماری کوئی شان بان تو ایک طرف رہی، رعب ودبدبہ تو ایک طرف رہا، الٹے دوسروں سے مرعوب بل کہ خوفزدہ ہیں، عروج واقبال تو کجا نزول وادبار کی زد میں ہیں اور ہلاکت وتباہی کے مہیب غاروں میں ڈھکیلے جا رہے ہیں اور نکبت وذلت کے خطرناک اندھیروں میں گھیرے جا رہے ہیں۔ ہمارے اس شاندار ماضی کے ساتھ اس تاریک حال کا موازنہ ومقابلہ کرتے ہوئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہوا اس کے اسباب و وجوہ کیا ہیں؟ اور اس صورت حال میں امت مسلمہ کو کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے؟

اسباب عروج - قرآن کی نظر میں

اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں پہلے قرآن وحدیث میں عروج واقبال کے اسباب معلوم کرنا چاہیے تا کہ اسی سے معلوم ہو جائے کہ اسباب عروج واقبال سے اعراض وروگردانی اور ان سے تہی دامنی ہی پستی اور ذلت، انحطاط وہلاکت کے اسباب ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ بات قابل غور ہے، ایک جگہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنكُمْ وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ، وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً يَعْبُدُوْنَنِي لَا يُشْرِكُوْنَ بِي شَيْئاً وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ

ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (النّور: ۵۵)

(اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل اختیار کیے کہ وہ ان کو ضرور زمین میں خلافت دے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور ان کے لیے ان کے دین کو جما دے گا جس کو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور انہیں خوف کے بدلے میں امن عطا کرے گا، وہ لوگ میری ہی عبا دت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں گے اور جو ناشکری کرے گا اس کے بعد تو ایسے ہی لوگ نا فرمان ہیں۔)

اس سے معلوم ہوا کہ روئے زمین کی خلافت اور وراثت ان لوگوں کو دی جاتی ہے جو ایمان وعمل صالح اختیار کریں گے۔

ایک جگہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَلاَ تَهِنُوْا وَلاَ تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۳۹)

(اور تم ہمت نہ ہارو اور رنج نہ کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم پورے اور سچے ایمان والے ہو۔)

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کی مدد ونصرت اور غلبہ وکامرانی ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان ویقین میں مضبوط اور کامل ہوں اور اس پر پوری طرح جمے ہوئے ہوں۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيٰوةً طَيِّبَةً ، وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (النحل :۹۷)

(جو کوئی مرد وعورت نیک کام کرے بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کو (دنیا میں بھی) بالطف زندگی دیں گے اور (آخرت میں) ان کے اچھے کاموں کا ان کو بدلہ دیں گے۔)

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل صالح سے دنیا کی زندگی میں بھی لطف وراحت میسر آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور بعض دیگر مفسرین نے اس آیت میں اس سے دنیوی زندگی ہی مراد لی ہے جیسا کہ بیہقی، حاکم، ابن ابی حاتم وغیرہ نے ابن عباس سے یہی تفسیر نقل کی ہے اور روح المعاني میں ہے کہ بہت سے مفسرین نے یہی مراد لیا ہے۔[1]

قرآن کریم کہتا ہے:

﴿ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَأَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ (الأعراف :۹۶)

(اگر قریہ والے ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین وآسمان سے برکات کھول دیتے، لیکن انہوں نے جھٹلایا، پس ہم نے ان کے کرتوت کی وجہ سے ان کو پکڑ لیا)۔

اس آیت سے بتا دیا کہ انسانوں پر برکتوں اور رحمتوں کا نزول ایمان اور تقوی کی وجہ سے ہوتا ہے، اور اس کے بجائے اگر تکذیب وانکار اور اعراض ہو تو اللہ کی پکڑ ہوتی ہے۔

---

(۱) روح المعاني :۱۴/ ۲۲۷

ایک آیت میں ہے:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ (المنافقون: ۸)

(اللہ اور اس کے رسول اور ان لوگوں کے لیے عزت ہے جو ایمان والے ہیں، لیکن منافق لوگ اس کو جانتے نہیں ہیں۔)

معلوم ہوا کہ عزت وسر بلندی ایمان کی بنیاد پر دی جاتی ہے۔

ایک جگہ کہا گیا:

﴿إِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ إِلَى الْمَلٰئِكَةِ أَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوْا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا، سَأُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الرُّعْبَ، فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾

(الأنفال: ۱۲)

(اس وقت کو یاد کرو جب کہ آپ کا رب حکم دیتا تھا فرشتوں کو کہ میں تمہارا ساتھی ہوں، تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ، میں ابھی کفار کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں، لہذا گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو کاٹ دو۔)

اس سے معلوم ہوا کہ ایمان والوں کی مدد ونصرت فرشتوں کے ذریعہ کرائی جاتی ہے اور اہل اسلام کا رعب کافروں کے دلوں میں ڈال دیا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ مدار ایمان وعمل پر ہے۔

ایک حدیث

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے:

« إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ فِيْ قُرَيْشٍ ، لَا يُعَادِيْهِمْ أَحَدٌ إِلَّا كَبَّهُ اللّٰهُ عَلىٰ وَجْهِهِ مَا أَقَامُوْا الدِّيْنَ . »

(یہ امر خلافت وسلطنت ہمیشہ قریش میں رہے گی جو شخص ان سے مخالفت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو منہ کے بل گرادے گا جب تک کہ وہ لوگ دین کو قائم رکھیں۔(۱)

ان تمام دلائل سے یہ واضح ہوا کہ زمین کی وراثت وخلافت، دنیا کی بالطف ومزیدار زندگی، عزت وعظمت فتح وکامرانی، غلبہ واقتدار، رحمت وبرکت ان لوگوں کا حصہ ہے جو ایمان وعمل صالح، تقوی وخشیت سے مالا مال ہوں، بس یہی چیزیں عروج واقبال کے اسباب ہیں۔

اسباب انحطاط- قرآن کی نظر میں

اس کے برخلاف جب کسی قوم میں کفر ومعصیت، بے عملی وبدعملی، جہالت وجاہلیت، سرکشی وبغاوت، خدائی احکامات وفرامین سے اعراض وروگردانی، انبیاء کے بتائے ہوئے لائحہ عمل ونمونہ زندگی سے غفلت، بے خوفی وبدعہدی وغیرہ روحانی امراض پیدا ہوتے ہیں تو اس کو ذلت ونکبت، زوال وانحطاط کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس سے اللہ کی مدد ونصرت ہٹالی جاتی ہے اور برکت ورحمت کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔ یہاں چند آیات پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

بنی اسرائیل کے تذکرے میں کہا گیا ہے:

﴿وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَ بَآءُوْا بِغَضَبٍ

(۱) بخاري:۳۲۳۹،احمد:۱۶۲۴۹،دارمي:۲۴۰۹

مِّنَ اللّٰهِ ، ذٰلِکَ بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ، ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ. ﴾

(البَقَرَة : ٦١)

(اور جم گئی ان پر ذلت و پستی اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے اور یہ اس وجہ سے کہ لوگ احکام الٰہیہ کے منکر ہو جاتے تھے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق اور اس وجہ سے کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ (اطاعت) سے نکل جاتے تھے۔)

معلوم ہوا کہ اطاعت سے گریز، احکام الٰہی کا انکار، انبیاء سے بدسلوکی، ذلت و پستی کے اسباب ہیں۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا، فَتِلْکَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيْلاً ﴾ (القَصَص : ٥٨)

(اور ہم بہت سی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھے سو یہ ان کے گھر ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لیے۔)

معلوم ہوا کہ اپنے سامان عیش پر ناز اور اس کی بنا پر خدا فراموشی و غفلت ایسی چیزیں ہیں جن کی بنا پر ہلاکت و تباہی، ہلاکت و بربادی کے فیصلے ہوتے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿ سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰناً، وَمَأْوٰهُمُ النَّارُ، وَبِئْسَ مَثْوٰى

الظّٰلِمِيْنَ﴾ (آل عمران : ۱۵۱)

(ہم ابھی کافروں کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈالے دیتے ہیں اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ایسی چیز کو قرار دیا ہے جس پر کوئی دلیل اللہ نے نازل نہیں کی، اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ ظالموں کا برا ٹھکانا ہے۔)

ایک موقعہ پر فرماتے ہیں:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ﴾ (الشوریٰ : ۳۰)

(اور جو تمہیں مصیبت پہنچی تو وہ تمہارے ہاتھوں کے کیے کی وجہ سے ہے، اور وہ اللہ بہت سے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔)

ایک قابل عبرت حدیث

امت کی پریشانیوں اور مصائب کی وجوہات پر ایک حدیث سے بخوبی روشنی پڑتی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

«خَمْسٌ إِذَا ابْتُلِيْتُمْ بِهِنَّ، وَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ أَنْ تُدْرِكُوْهُنَّ، لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِيْ قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوْا بِهَا إِلَّا فَشَا فِيْهِمُ الطَّاعُوْنُ، وَالْأَوْجَاعُ الَّتِيْ لَمْ تَكُنْ مَضَتْ فِيْ أَسْلَافِهِمُ الَّذِيْنَ مَضَوْا، وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ إِلَّا أُخِذُوْا بِالسِّنِيْنَ وَشِدَّةِ الْمَئُوْنَةِ وَ جَوْرِ السُّلْطَانِ، وَلَمْ يَمْنَعُوْا زَكَاةَ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا مُنِعُوا الْقَطْرَ مِنَ السَّمَاءِ، وَلَوْلَا الْبَهَائِمُ

لَمْ يُمْطَرُوْا، وَلَمْ يَنْقُضُوا عَهْدَ اللّٰهِ وَ عَهْدَ رَسُوْلِهِ إِلَّا سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِّنْ غَيْرِهِمْ ، فَأَخَذُوْا بَعْضَ مَا فِيْ أَيْدِيْهِمْ، وَمَا لَمْ تَحْكُمْ أَئِمَّتُهُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَ يَتَخَيَّرُوْا مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ بَأْسَهُمْ بَيْنَهُمْ .»

(پانچ باتیں ہیں جب تم ان میں مبتلا ہو جاؤ (تو یہ عذابات پیش آئیں گے)، اور میں اللہ کی اس بات سے پناہ چاہتا ہوں کہ تم ان کو پاؤ، جب کسی قوم میں بے حیائی علی الاعلان ہونے لگے تو ان میں طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل جائیں گی جو ان کے اسلاف میں نہیں تھیں اور جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرے گی تو اس کو قحط سالی و تنگی اور بادشاہ کے ظلم میں گرفتار کیا جائے گا اور جب کوئی قوم زکاۃ کو روکے گی تو اس سے بارش روک دی جائے گی اور اگر جانور نہ ہوتے تو اس پر کبھی بارش نہ ہوتی اور جب اللہ و رسول کے عہد کو توڑے گی تو اس پر غیر قوم میں سے کوئی دشمن مسلط کیا جائے گا جو اس سے ان کے مال چھین لے گا اور جب ان کے ائمہ اللہ کی کتاب سے فیصلہ نہیں کریں گے اور اللہ کے نازل کردہ احکام میں سے اپنی مرضی کے مطابق لے لیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے آپس میں لڑائی ڈال دیں گے)(۱)

غرض یہ ذلت و پستی، انحطاط و کمزوری، ہلاکت و تباہی اس وقت آتی ہے جب کہ انسان اللہ کے احکام اور نبی کی سنت و سیرت سے گریز، انبیاء کرام کے ساتھ

(۱) ابن ماجہ:۴۰۰۹

بدسلوکی اور ان کی توہین، دنیوی ساز وسامان اور عیش وعشرت پر ناز وفخر اور آخرت سے غفلت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

ہمارے اسلاف کی زندگیاں

اس کے بعد تاریخ کے صفحات الٹ کر دیکھ لیجئے کہ ہر دور میں ہر قوم وملت کے ساتھ اسی اصول کو برتا گیا، اسی کے مطابق فیصلے ہوتے رہے، جس قوم نے اسباب عروج واقبال کو اختیار کیا وہ عروج واقبال کی منزلیں طے کرتی رہی اور اس کو دنیا میں عزت وعظمت، فتح وکامرانی، غلبہ واقتدار سے بھرپور حصہ دیا گیا اور جس نے اسباب نزول وادبار کو اختیار کیا اس کو نزول وادبار، انحطاط وپستی میں مبتلا کیا گیا۔

چنانچہ ہمارے اسلاف کی پوری تاریخ پڑھتے جاؤ، ان کو عظمت کے میناروں پر، عزت کے محلوں میں، فتح وکامرانی کے پرچم کو لہراتے، غلبہ واقتدار کے تختوں پر دیکھو گے، اور ان کے زمانے میں ان چیزوں کے وہی تنہا اجارہ دار نظر آئیں گے جس میں ان کا کوئی شریک نہیں تھا، اور یہ سب کچھ ان کے ایمان باللہ وتوکل واعتماد علی اللہ، تقوی وپرہیزگاری، خوف وخشیت، تعلق مع اللہ اور اتباع سنت وسیرت کی وجہ سے تھا۔

اب ہمارے لیے راہ عمل کیا ہے؟

اب تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آج امتِ مسلمہ پر ادبار وانحطاط کے مہیب سائے، ذلت ونکبت کی پھٹکار، خدائی عقاب وعتاب کی سنگ باریاں، پریشانیوں اور مصائب کے طوفان، صرف اسی وجہ سے ہیں کہ ہم سے دین سے دوری، عمل میں سستی، تعلق مع اللہ میں غفلت، گناہوں میں انہماک، خدا سے

بغاوت، رسول کے طریقے سے کدورت، غیروں سے مشابہت و مناسبت وغیرہ افعال شنیعہ صادر ہو رہے ہیں، لہٰذا اب اپنی اصلاح کا کوئی نظام بنانا چاہئے، یہاں میں اس سلسلہ میں چند اہم امور کی جانب نشاندہی کرنا چاہتا ہوں:

آزمائش وابتلاء کیوں؟

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ہم اس پر غور کریں کہ مسلمانوں پر یہ مظالم کیوں ہیں؟ اس کا جواب ہمیں قرآن میں بڑے واضح انداز میں ملتا ہے، وہ یہ کہ یہ سب دراصل اللہ کی جانب سے ہماری آزمائش ہے۔

ایک موقعہ پر ارشاد ربانی ہے:

﴿ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ، مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ، أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ (البقرۃ: ۲۱۴)

(کیا تم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالاں کہ تم پر ایسے حالات نہیں آئے جیسے تم سے پہلے گذرے ہوئے لوگوں پر آئے کہ ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور انہیں ہلا کے رکھدیا گیا یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے کہہ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی، سن لو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔)

معلوم ہوا کہ مومنوں اور مسلمانوں کی اللہ کی طرف سے آزمائش ہوتی ہے، اور اس کے بغیر چارہ کار نہیں اور جنت میں داخلہ کا خواب اسی وقت شرمندۂ تعبیر ہوگا جب کہ ہم اس دور ابتلاء وآزمائش سے گزریں۔

اور اس میں کیا حکمت ہے؟ اس کا جواب خود اللہ جل وعز نے یہ دیا کہ یہ آزمائش دراصل سچوں اور جھوٹوں میں امتیاز پیدا کرنے کے لیے ہوتی ہے، جیسے ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿الٓمٓ،أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُّتْرَكُوْا أَنْ يَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ، وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ، فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ﴾ (العنکبوت : ۱-۳)

(الٓمٓ (اس کا معنی اللہ ہی بہتر جانتے ہیں) کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ صرف اتنا کہہ دینے سے چھوڑ دیئے جائیں گے کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی، اور ہم نے ان لوگوں کو بھی آزمایا ہے جو ان سے پہلے گذرے ہیں کہ اللہ سچوں کو معلوم کرے اور وہ جھوٹوں کو معلوم کرے۔)

جب یہ معلوم ہوگیا کہ یہ مظالم ومصائب اور آلام وآفات دراصل ہماری آزمائش کے لیے ہوتے ہیں تو ہماری کوشش یہ ہونا چاہئے کہ ہم اس آزمائش میں کھرے ثابت ہوں، کھوٹے نہ نکلیں، اللہ پر ایمان میں سچے ثابت ہوں، جھوٹے نہ ظاہر ہوں اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ ہم اللہ کے احکام اور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی تعلیمات کا ہر موقعہ پر لحاظ رکھیں، جس طرح شادی وخوشی میں اس کا لحاظ ہو، اسی طرح غم و مصیبت میں بھی اس کا دھیان ہو، اور کوئی کام اس کے خلاف نہ کریں۔

توبہ واستغفار

یہ بات سامنے آچکی ہے کہ ہماری تمام پریشانیاں دراصل اللہ ورسول کی مخالفت اور گناہوں کی وجہ سے ہیں، لہذا اس کا علاج یہی ہے کہ اللہ کی جناب میں گڑگڑا کر

توبہ اور استغفار کیا جائے، اگر اللہ نے معاف کردیا تو ہمارا سارا مسئلہ حل ہو گیا، اسی لیے استغفار پر اللہ نے بڑے وعدے فرمائے ہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿اِسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ،اِنَّہٗ کَانَ غَفَّاراً، یُرۡسِلِ السَّمَاءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَاراً وَّ یُمۡدِدۡکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّ بَنِیۡنَ وَیَجۡعَلۡ لَّکُمۡ جَنّٰتٍ وَّ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ اَنۡھَاراً .﴾ (نوح: ۱۰-۱۲)

(اپنے رب سے استغفار کرو، بلاشبہ وہ بہت بخشنے والا ہے، وہ تم پر بہتی بارش کرے گا، اور تمہارے مالوں اور اولاد کو زیادہ کرے گا اور تمہارے لیے باغات مقرر کرے گا اور نہریں مقرر کرے گا۔)

اس سے معلوم ہوا کہ استغفار و توبہ کا ثمرہ و فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ بارشیں برساتے ہیں، مال و اولاد میں اضافہ کرتے ہیں اور باغات و نہروں کا انتظام فرماتے ہیں، اسی لیے روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں بارش کا قحط ہو گیا تو آپ لوگوں کو لیکر نماز استسقاء کے لیے نکلے اور وہاں صرف استغفار کر کے واپس چلے آئے، لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے صرف استغفار کیا اور بارش طلب نہیں کی؟ تو فرمایا کہ میں نے تو آسمان کے پچھتروں سے جہاں سے کہ بارش ہوتی ہے پانی طلب کیا ہے، پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (۱)

حضرت حسن بصری کے پاس ایک شخص نے قحط کی شکایت کی تو فرمایا کہ استغفار کرو، ایک اور نے فقر و فاقہ کی شکایت کی تو فرمایا کہ استغفار کرو، ایک تیسرے آدمی

(۱) سنن سعید بن منصور:۵/۳۵۳،سنن بیھقی:۳/۳۵۱،ابن ابی شیبہ:۶/۶۱،مصنف عبد الرزاق:۳/۸۷،تفسیر طبری:۲۹/۹۳،تفسیر القرطبی:۱۸/۳۰۲

نے عرض کیا کہ میرے لیے اولاد کی دعاء کیجئے، تو فرمایا کہ استغفار کرو، ایک اور شخص نے اپنے باغ کے سوکھ جانے کی شکایت کی تو فرمایا کہ استغفار کرو، حضرت صبیح کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے اس سلسلہ میں پوچھا کہ آپ نے سب کا ایک ہی جواب دیا، تو فرمایا کہ یہ میں نے اپنی جانب سے نہیں کہا ہے بل کہ اللہ تعالیٰ سورہ نوح میں یہ فرماتے ہیں۔(۱)

اور ایک حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهُ مِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجاً ، وَمِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجاً ، وَرَزَقَهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.»

(جو استغفار کو لازم پکڑ لے اللہ اس کے لیے ہر غم دور ہونے کا راستہ بناتے ہیں اور ہر تنگی سے نکلنے کی سبیل کرتے ہیں اور وہاں سے اسے رزق عطا کرتے ہیں جہاں سے اسے کوئی گمان بھی نہیں ہوتا۔)(۲)

الغرض ہمارا سب سے اہم کام یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے گناہوں پر روئیں، گڑگڑائیں اور اللہ سے معافی مانگیں اور آئندہ کے لیے عہد کریں کہ گناہوں کے قریب بھی نہیں جائیں گے۔

صبر و تقوی

ایک بات یہ ہے کہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے حالات میں

---

(۱) تفسیر قرطبی:۱۸/۳۹۲

(۲) أبو داؤد ، سنن بیهقی: ۳/۳۵۱،معجم اوسط:۶/۲۴۰،سنن کبری للنسائی: ۶/۱۱۸، ابن ماجه، مسند احمد، مستدرک حاکم:۴/۲۹۱،قال الحاکم: صحیح الاسناد

اللہ تعالیٰ کا منشأ و مرضی یہ ہے کہ ہم صبر و تقوی کا خصوصی اہتمام کریں، کیونکہ یہ سب -جیسا کہ عرض کیا گیا- اللہ کی جانب سے ہماری آزمائش و ابتلاء کے طور پر ہے، اور اس سلسلہ میں اسی کا حکم دیا ہے کہ صبر و تقوی اختیار کرو، ایک جگہ فرمایا کہ:

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَ أَنفُسِكُمْ ، وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيْراً ، وَإِنْ تَصْبِرُوا وَ تَتَّقُوا فَإِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ﴾

(آل عمران : ۱۸۶)

(تم ضرور بالضرور تمہاری جانوں اور مالوں کے بارے میں آزمائے جاؤ گے اور تم ان لوگوں کی جانب سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی اور مشرکین کی جانب سے بہت کچھ تکلیف دہ باتیں سنو گے، اور اگر تم نے صبر کیا اور تقوی اختیار کیا تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔)

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا:

﴿إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ، وَإِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لاَ يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾ (آل عمران : ۱۲۰)

(اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو یہ بری لگتی ہے اور اگر تمہیں برائی پہنچتی ہے تو اس سے وہ خوش ہوتے ہیں، اور اگر تم لوگ صبر کرو اور تقوی اختیار کرو تو تمہیں ان کی سازش کچھ بھی نقصان نہ دے سکے گی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے سب کرتوتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔)

ان آیات میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ صبر و تقوی میں ہماری کامیابی ہے اور

ان کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی کا کید و مکر و سازش کچھ بھی نقصان نہیں دے سکتی۔ یہ اللہ کا پاکیزہ و مقدس کلام ہے جس کی صداقت و سچائی میں کسی ادنی سے ادنی مسلمان کو بھی شک و شبہ نہیں ہوسکتا، اس نے یہ راز ہمارے لیے فاش کیا کہ ان حالات میں فتح و کامیابی، نجات و کامرانی کا راستہ صبر و تقوی ہے۔

صبر و تقوی کی حقیقت

اب یہ دیکھنا ہے کہ صبر کیا ہے اور تقوی کس کو کہتے ہیں؟ صبر کے معنے نفس کو اس کے خلاف پیش آنے والی باتوں پر کنٹرول کرنے کے ہیں، لہذا نفس کو خواہشات سے بچانا اور اللہ کے حکموں پر لگانا ہی صبر ہے اور تقوی اللہ سے ڈر کر زندگی گزارنے کا نام ہے، لہذا جو شخص اپنے کو خواہشات سے بچاتا ہو اور اللہ کی مرضیات پر چلتا ہو اور اس سے ڈر کر زندگی گزارتا ہو اس کو کسی کا مکر و فریب اور اس کے خلاف کوئی کوشش و سازش نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

مشہور مفسرِ قرآن علامہ ابن جریر طبری رَحِمَہُ اللہُ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے مؤمنو! اگر تم اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام کی اتباع اور منع کردہ باتوں سے اجتناب پر صبر کرو یعنی اس پر جم جاؤ جیسے یہود کو اپنا دوست بنانے وغیرہ سے بچتے رہو اور جو باتیں تم پر اس نے لازم کی ہیں اور اپنے رسول کے حقوق واجب کئے ہیں ان میں حد سے تجاوز نہ کرو تو تم کو ان یہود کی سازش نقصان نہ دے گی''۔ (۱)

---

(۱) تفسیر طبری: ۴۱۳/۳

اور علامہ آلوسی بغدادی رَحِمَہُ اللہُ اپنی تفسیر ''روح المعاني'' میں فرماتے ہیں:

''تمہیں صبر وتقوی کی برکت سے ان (کفار) کی سازش سے، نہ زیادہ نہ کم، کسی طرح کا نقصان نہ ہوگا کیونکہ یہ دونوں محاسنِ طاعات و مکارمِ اخلاق میں سے ہیں، اور جو ان سے متصف ہوتا ہے وہ اللہ کے سایہ اور اس کی حمایت میں ہوتا ہے اس بات سے کہ دشمن کی سازش اس کو نقصان دے''۔(۱)

معلوم ہوا کہ شریعت پر جماؤ اور استقامت کے بغیر مؤمن کی کامیابی کا کوئی تصور نہیں، اگر کامیابی وکامرانی چاہیے تو ضروری طور پر ہمیں اس کا لحاظ رکھنا چاہیے۔

ایک رومی سپہ سالار کا حیرت انگیز انکشاف:

علامہ ابن کثیر نے اپنی تاریخ'' البدایه و النهایه'' میں یہ عجیب وغریب واقعہ بیان کیا ہے کہ ہرقل کے زمانے میں ایک رومی فوج کا مسلمانوں سے مقابلہ ہوا اور رومی فوج کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا، یہ شکست خوردہ رومی فوج جب واپسی کے موقع پر ہرقل سے ملتی ہے جب کہ ہرقل مقام انطاکیہ میں مقیم تھا، تو وہ ان رومیوں کی شکست کی خبر سن کر سوال کرتا ہے۔

أخبروني عن هؤلاء القوم الذين يقاتلونكم ،أليسوا بشراً مثلكم؟

(مجھے اس قوم کے بارے میں بتاؤ جس کے ساتھ تمہارا مقابلہ ہوا ہے، کیا وہ تم ہی جیسے انسان نہیں تھے؟)

فوجیوں نے اس کے جواب میں کہا کہ: ہاں! وہ ہم ہی جیسے انسان تھے جن سے ہمارا مقابلہ ہوا۔

---

(۱) روح المعاني:۴/۴۱

اس پر ہرقل دوسرا اور بامعنی سوال کرتا ہے کہ: اچھا بتاؤ کہ تعداد میں وہ زیادہ تھے یا تم؟"
فوجیوں نے کہا کہ: ہم زیادہ تھے۔
ہرقل تیسرا سوال یہ کرتا ہے کہ: جب وہ تم جیسے انسان تھے اور تعداد میں تم سے کم تھے تو پھر تمہاری شکست کھا جانے کی کیا وجہ ہے؟
اس کا جواب اس رومی سپہ سالار نے بڑا عجیب دیا، اس نے کہا:

" من أجل أنهم يقومون الليل و يصومون النهار ويوفون بالعهد و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و يتناصفون بينهم"

(ان (مسلمانوں) کی فتح اس وجہ سے ہوئی کہ وہ راتوں میں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہیں اوردن میں روزہ رکھتے ہیں، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتے ہیں، عہد پورا کرتے ہیں اور آپس میں انصاف کرتے ہیں۔)

اور کہا کہ:

"من أجل أنا نشرب الخمر و نزني و نركب الحرام و ننقض العهد و نغضب و نظلم و نأمر بالسخط و ننهى عما يرضى الله و نفسد في الأرض"

(ہماری شکست اس وجہ سے ہوئی کہ ہم شرابیں پیتے، زنا کرتے، عہد کو توڑتے، حرام چیزوں کو اختیار کرتے، برائی کو پھیلاتے اور اللہ کی مرضیات سے روکتے، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔)

یہ سن کر رومی بادشاہ ہرقل نے کہا کہ تم نے سچ کہا۔(۱)

(۱) البدایہ والنہایہ: ۷/۱۵

یہ جواب دینے والا کوئی مسجد کا ملا اور (لوگوں کی اصطلاح کے مطابق) مدرسہ کا بانی نہیں بل کہ وہ تو مسلمان بھی نہیں؛ مگر جس چیز کو اس نے دیکھا بھلا وہ اس کی تکذیب کیسے کر سکتا تھا۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ فتح و کامرانی جو مسلمانوں کو ہوئی اس کے لیے نہ ان کے پاس ایسی فوجی تعداد و طاقت تھی نہ اس کے لیے دیگر اسباب وآلات اور ہتھیار موجود تھے اس کو دیکھ کر اس ایرانی سپہ سالار کو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ ان کی فتح ان صفات مقدسہ واوصاف قدسیہ کا نتیجہ ہے اور ان پاکیزہ اعمال واخلاق کی سحر کاری ہے۔

اندلس کی فتح اور اہل اسلام کا ایمان وتوکل

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے دور کے ایسے واقعات تاریخ وسیر کے سیکڑوں صفحات بل کہ ہزاروں صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں، اور صحابہ کے دور کے بعد بھی جب تک مسلمانوں میں ایمان وتوکل علی اللہ اور تعلق مع اللہ کی صفات موجود تھیں، ایسے واقعات کی کمی نہیں تھی۔

خلیفۃ المسلمین ولید بن عبد الملک کے دور میں طارق بن زیاد جب اندلس کو فتح کرنے سات ہزار کی مختصر فوج لے کر چار بڑی بڑی کشتیوں میں سوار اندلس کے ساحلی علاقہ ''جبل الطارق'' پر اترتا ہے تو باوجود مختصر سی فوج کے اس ساحلی پٹی کو بغیر کسی مزاحمت کے فتح کرتا چلا جاتا ہے، اس وقت اندلس پر جس بادشاہ کی حکومت تھی وہ عیسائی تھا اور عربی تاریخوں میں اس کا نام ''لزریق'' لکھا ہے اور انگریزی تواریخ اس کو ''راڈرک'' کے نام سے یاد کرتی ہیں، جب بادشاہ نے یہ دیکھا تو اپنے سپہ سالار تدمیر کے ساتھ تیس ہزار کی فوج کو تمام ساز وسامان اور ہتھیاروں سے آراستہ کر کے میدان میں بھیجا اور دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوتا رہا اور پے در پے کئی لڑائیاں ہوئیں

اور ہر موقعہ پر تدمیر اور اس کی فوج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور ان ہزیمتوں نے ان کے حوصلے پست کر دیئے، آخر کار تنگ آ کر تدمیر نے اپنے بادشاہ راڈرک کو لکھا کہ یہ قوم جس سے ہمیں سابقہ پڑا ہے وہ معلوم نہیں کہاں سے آئی ہے آسمان سے نازل ہوئی ہے یا زمین سے ابلی ہے، لہٰذا اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ خود اس کی سرکوبی کے لیے آئیں۔

بادشاہ راڈرک نے ستر ہزار کی فوج کے ساتھ اس طرف رخ کیا، اور پہلی فوج کے ساتھ ملکر اس کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہوگئی، جو تمام ہتھیارات سے لیس تھی، اور دوسری طرف مسلمانوں کی فوج ہے جو نہ پورے طور پر ہتھیارات سے لیس ہے اور نہ تعداد میں ان سے کوئی نسبت رکھتی ہے، طارق کے ساتھ سات ہزار افراد آئے تھے، پھر خلیفہ کی طرف سے اور پانچ ہزار کی فوج آ کر ان سے مل گئی، اس طرح کل بارہ ہزار کی فوج ہوئی۔ اور دونوں فوجیں وادی لکّہ کے مقام پر اُتریں، اور پھر مقابلہ ہوا اور مسلسل آٹھ دن یہ جنگ چلتی رہی، اور بالآخیر فتح و کامیابی مسلمانوں کے حصہ میں آئی اور عیسائی فوج رسوا و پسپا ہوئی اور خود راڈرک بھی قتل ہوگیا۔ (۱)

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ طارق بن زیاد جب ساحل اندلس پر اُترا تو اس نے اپنی فوج کو سب سے پہلے یہ حکم دیا ہے کہ ان کشتیوں کو جلا دو، پھر فوج سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اس لیے یہ حکم میں نے دیا ہے کہ تم کو معلوم ہو جائے کہ تمہارے پیچھے سمندر ہے اور آگے طاقتور دشمن ہے، نہ تم آگے جا سکتے ہو، نہ فرار ہونے کے لیے پیچھے جا سکتے ہو، اب صرف خدا کے بھروسہ جہاد کرو اور یہاں اندلس میں اسلام کا پرچم لہراؤ۔

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھو: الکامل لابن الاثیر: ۴/۱۷۶-۱۷۷، تاریخ طبری: ۴/۱۱، خلافت اندلس از نواب ذوالقدر جنگ بہادر، ص: ۶۸-۷۶

علامہ اقبال نے اسی کو اپنے اشعار میں کہا ہے:

طارق چو بر کنارہ اندلس سفینہ سوخت
گفتند کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطا ست

(طارق نے جب اندلس کے ساحل پر کشتی جلادی، تو لوگوں نے کہا کہ عقلمند کی نگاہ میں یہ غلط ہے)

دوریم از سواد وطن باز چوں رسیم؟
ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا روا ست

(ہم اپنے وطن سے دور ہیں، واپس کیسے جائیں گے؟ اسباب کا ترک کرنا شریعت میں کہاں جائز ہے؟)

خندید و دست خویش بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملک ما ست کہ ملک خدائے ما ست

(طارق ہنسا اور اپنی تلوار پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ ہر ملک ہمارا ہے کیونکہ وہ ہمارے خدا کا ملک ہے)

غور کرنا چاہئے کہ یہ کونسی طاقت تھی جس نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا اور ان کو سربلندی اور عزت عطا کی؟ یہ صرف ایمانی قوت وطاقت تھی اللہ پر اعتماد وتوکل کی برکت تھی اور تعلق مع اللہ کی کرشمہ سازی تھی۔

دین کے بارے میں ہماری افسوس ناک حالت:

مگر جب ہم سے یہ صفات وخصوصیات اور یہ قدسی اوصاف وکمالات رخصت ہوگئے اور ہم خدائی احکامات سے روگردانی، سیرت وسنت رسول اللہ سے بغاوت و سرکشی، نیکیوں سے غفلت ولاپروائی، منکرات ومحرمات میں انہماک ومشغولی اور نفس

وشیطان کی اطاعت وپیروی کے عادی ہوگئے تو ہم پر خدائی اصول وقانون اور تقدیرِ الٰہی کے فیصلہ کے مطابق ذلت ونکبت، ضعف وکمزوری، نزول وادبار اور انحطاط وپستی لائی گئی ہے اور ہر قوم کے سامنے ذلیل وخوار پست ہمت ہو چکے ہیں۔

نماز کی اہمیت اور ہماری غفلت

نماز اسلام کا ایک ایسا رکن وستون ہے جس کے بارے میں اللہ کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جس نے اس کو ڈھایا اس نے اسلام کو ڈھادیا۔

مگر آج ہم مسلمانوں میں نماز سے کس قدر غفلت ہے بل کہ اس کو کیسا لا یعنی وفضول کام سمجھ رکھا ہے یہ سب کو معلوم ہے۔ غور فرمایئے کہ آج ہماری مسجدوں میں پانچ فی صد مسلمان بھی نہیں آتے اور مسجدیں ویران ہیں۔ اس کے باوجود ہم پر رحمت ہی کے فیصلے ہوں گے؟ یا ذلت ونکبت کے اور انحطاط وپستی کے؟

ظاہر ہے کہ ہم اسلاف کے ستون کو اور خود اسلام کو ڈھا کر فتح ونصرت، رحمت وعزت کے طالب ہوں گے تو ہماری سنی نہیں جائے گی، مسلمان کی دنیوی عزت اور فتح وکامیابی بھی اسلام کے حکموں پر چلنے میں ہے اور نماز ان میں سے اہم ترین حکم ہے۔

حجاج بن یوسف کا ایک مکتوب

حجاج بن یوسف جو اسلامی سربراہوں اور حاکموں میں سب سے زیادہ ظالم اور ناعاقبت اندیش مشہور رہے ہے، اس نے سندھ کے گورنر محمد بن قاسم فاتح سندھ کے نام ایک خط لکھا جب کہ محمد بن قاسم کا راجہ داہر کی زبردست ہاتھیوں کی فوج سے مقابلہ ٹھن گیا تھا اس خط کو مولانا اکبر شاہ مورخ اسلام کی کتاب ''آئینہ حقیقت نما'' کے حوالہ سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے حیاۃ المسلمین کے مقدمہ کی شرح میں نقل کیا ہے۔ حجاج کے خط کا مضمون یہ ہے:

’’پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ کرو، تکبیر وقرأت، قیام وقعود اور رکوع وسجود میں اللہ تعالیٰ کے روبرو تضرع وزاری کیا کرو، زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رکھو، کسی شخص کو شوکت وقوت خدا تعالیٰ کی مہربانی کے بغیر میسر نہیں ہو سکتی، اگر تم خدا کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً مظفر ومنصور ہو گے۔ (۱)

اس خط کو نقل کر کے حضرت مفتی شفیع صاحب نے لکھا ہے۔

یہ کسی حجرہ نشین ملا کی تلقین یا کسی خانقاہ کی تعلیم نہیں ہے، ایک رعب وداب والے با اختیار امیر (وائسرائے) کا فرمان ہے اور امیر بھی وہ کوئی خلفاء راشدین میں سے نہیں، صلحاء ومتقین میں سے نہیں، سب سے زیادہ بدنام امیر ہے، مگر خدا ترسی نہ سہی دنیا طلبی اور حکومت وسلطنت کی خواہش ہی کے سبب سہی، اتنی بات پر وہ بھی کامل یقین رکھتا ہے اور اپنے ماتحت حکام کو اس کا فرمان بھیجتا ہے کہ یہ ہماری عبادت نماز، روزہ اور دیگر احکام قرآنیہ کی اطاعت ہی ہمارے فتح وظفر کی روح ہے اور ہماری ہر دینی ودنیوی کامیابی اس میں مضمر ہے۔ (۲)

غرض یہ کہ نماز بہت اہم عبادت ہے، اس میں کوتاہی تباہی وہلاکت کا باعث اور انحطاط وذلت کا سبب ہے، مگر امت کا بیشتر حصہ اس سے اس طرح غافل ہے جیسے کوئی معمولی بات ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکام کے نام خط

حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسلامی مملکت کے تمام عمال وحکام کے نام ایک خط جاری فرمایا تھا، اس میں وہ فرماتے ہیں:

---

(۱) مقدمہ حیاۃ المسلمین:۳۴

(۲) مقدمہ حیاۃ المسلمین:۳۵

’’ إن أهمّ أُمُورِكُمْ عِنْدِيْ الصَّلاةُ ، فَمَنْ حَفِظَهَا وحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِيْنَه وَ مَنْ ضَيّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ‘‘

(میرے نزدیک تمہارے تمام امور میں سب سے اہم کام نماز ہے، جس نے اس کی حفاظت کی اور اس کی پابندی کی اس نے اپنے دین کی حفاظت کی اور جس نے اس کو ضائع کیا وہ دوسرے کاموں کو اور زیادہ ضائع کرنے والا ہوگا۔)(۱)

ایک صحابی کا حیرت انگیز حال

صحابہ میں نماز کی اہمیت کا اس سے اندازہ کیجئے کہ حضرت عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب کیا اور فرمایا کہ خالد بن سفیان الھذلی میرے خلاف لوگوں کو جمع کر رہا ہے تا کہ مجھ سے لڑے ،لہذا تم جا کر اس کو قتل کردو، حضرت عبداللہ بن انیس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ذرا اس کی نشانی بیان کیجئے تا کہ میں اس کو پہچان سکوں، آپ نے فرمایا کہ جب تم اس کو پاؤ تو اس پر کپکپی دیکھو گے، وہ فرماتے ہیں کہ میں تلوار سے اپنے کو لیس کیا اور نکلا ، جب وہاں پہنچا تو عصر کا وقت ہو چکا تھا، میں نے سوچا کہ اگر میں اس سے ملوں گا تو ہوسکتا ہے کہ نماز چھوٹ جائے لہٰذا میں نے چلتے چلتے ہی نماز شروع کر دی اور رکوع وسجدہ کا اشارہ کرتا رہا، پھر آگے کا واقعہ بیان کیا ہے۔(۲)

اللہ اکبر! کیا حال تھا ان حضرات کا کہ اس سخت ترین حالت میں بھی سب سے

---

(۱) مؤطا امام مالک:۵

(۲) مسند ابو یعلی:۲/۲۰۲،موارد الظمآن :۱/۱۵۵، ابن ابی شیبہ:۲/۲۲۳،تاریخ طبری :۲/۲۰۸،سیرت ابن ہشام:۶/۲۱

پہلے نماز کا اہتمام فرماتے ہیں، اس خیال سے کہ کہیں لڑائی میں نماز نہ چلی جائے۔

اس سے ہم کو عبرت لینے کی ضرورت ہے، آج نوجوان لوگ بالخصوص نماز سے جس قدر غافل ہیں، وہ واضح ہے، اس کے باوجود وہ جہاد کی باتیں کرتے ہیں۔

زکوۃ میں کوتاہی کا وبال

اسی طرح زکوۃ میں کوتاہی، ذلت ورسوائی اور ہلاکت وتباہی کا سبب ہے، جیسا کہ اوپر حدیث گزری ہے کہ جب کوئی قوم زکوۃ دینا بند کردیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر بارانِ رحمت بند کرے گا۔ (۱)

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی راہ میں خرچ نہ کرنے والے لوگوں کے مال کو تباہ وہلاک کردیا جاتا ہے چنانچہ قرآن میں باغ والوں کا قصہ نقل کیا گیا ہے۔

جس کا خلاصۂ تفسیر یہ ہے:

ملک یمن کا حبشہ میں ایک شخص کا باغ تھا وہ اس باغ کے پھل کا ایک بڑا حصہ غریبوں مسکینوں میں صرف کرتا تھا۔ جب وہ مرگیا اور اس کی اولاد اس کی وارث ہوئی تو ان لوگوں نے کہا کہ ہمارا باپ احمق تھا کہ اس قدر آمدنی مسکینوں کو دیدیتا تھا اگر یہ سب باقی رہے تو کس قدر فراغت ہوگی۔ چنانچہ ایک مرتبہ قسم کھا کر یہ کہنے لگے کہ کل صبح چل کر باغ کا پھل ضرور توڑلیں گے۔ انشاء اللہ بھی نہ کہا، اور سوگئے، صبح اٹھ کر ایک دوسرے کو چلنے کے لیے پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر سویرے چلو، اگر تم کو پھل توڑنا ہے پھر آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے چلے آئے کہ تم تک کوئی مسکین نہ آنے پائے جب باغ کے پاس پہنچے اور یہ دیکھا کہ باغ تو پورا صاف ہوگیا تھا اور کوئی چیز موجود نہیں ہے جیسے کھیت کو کاٹ لینے کے بعد جلا کر صاف کردیا جاتا ہے تو کہنے لگے ہم راستہ بھول کر

(۱) ابن ماجہ: ۴۰۰۹

کسی اور جگہ آگئے ہیں، پھر جب غور کرنے کے بعد یقین ہوا کہ یہی ہمارے باغ کی جگہ ہے ہم بھولے نہیں ہیں تو کہنے لگے کہ " بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ" کہ ہماری قسمت ہی پھوٹ گئی ہے، پھر آپس میں ایک دوسرے پر ملامت کرنے لگے۔ (۱)

علماء نے تصریح کی ہے کہ ان پر یہ عذاب اسی لیے آیا کہ انہوں نے مساکین کا حق جو اللہ نے فرض کیا ہے وہ ادا نہیں کیا۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں یہ سزا اس سبب سے ہوئی ہے کہ انہوں نے مساکین (کا حق دینے سے) انکار کا ارادہ کیا تھا۔ (۲)

حاصل یہ ہے کہ ہمارے اموال کی تباہی اور دوسروں کا ان پر قبضہ کر لینا یہ سب اس سبب سے ہوتا ہے کہ زکوۃ جیسا اہم فریضہ ہماری کوتاہی وغفلت کی نذر ہو جاتا ہے۔

صدقہ گناہ کو اور اللہ کے غصہ کو بجھا دیتا ہے

اور اس کے بالمقابل جب آدمی اللہ کے راستہ میں خرچ کرتا ہے، زکوٰۃ و صدقات کا اہتمام کرتا ہے تو اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا غصہ و غضب بجھ جاتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

« وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيْئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ . »

(صدقہ خطاء کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔) (۳)

---

(۱) القلم:۱۷-۳۲، تفسیر قرطبي:۲۰/۲۴۰، روح المعاني: ۲۹/۲۳-۲۴، معارف القرآن: ۸/۵۲۶

(۲) قرطبي:۲۰/۲۴۰

(۳) ترمذی:۵۵۸، ابن ماجہ:۳۹۶۳، احمد:۱۳۹۱۹

ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

« إِنَّ الصَّدَقَةَ لَتُطْفِئُ غَضَبَ الرَّبِّ وَتَدْفَعُ عَنْ مِيتَةِ السُّوءِ . »

(بلا شبہ صدقہ رب کے غصہ کو بجھاتا ہے اور بری موت کو دفع کرتا ہے۔)(۱)

جب اللہ تبارک وتعالیٰ کا غضب وغصہ بجھ جائیگا اور اللہ تعالیٰ گناہوں وخطاؤں کو معاف کردے گا تو ظاہر ہے کہ عذابات کا سلسلہ بھی بند وختم ہوجائے گا، بل کہ اس کے بجائے نعمتوں کا سلسلہ جاری ہوجائے گا۔

ایک انگریز کا واقعہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رَحِمَہُ اللہُ نے آپ بیتی میں اپنے والد حضرت مولانا یحیی صاحب رَحِمَہُ اللہُ اور بعض لوگوں کے حوالے سے یہ واقعہ لکھا ہے جونہایت ہی حیرت انگیز اور قابل عبرت ہے، وہ یہ کہ ضلع سہارنپور میں ''بہٹ'' سے آگے انگریزوں کی کچھ کوٹھیاں تھیں، اس کے قرب وجوار میں بہت سی کوٹھیاں کاروباری تھیں جن میں ان انگریزوں کے کاروبار ہوتے تھے اور ان کے مسلمان ملازم کام کیا کرتے تھے اور وہ انگریز دہلی، کلکتہ وغیرہ بڑے شہروں میں رہتے تھے، کبھی کبھی معائنہ کے طور پر آکر اپنے کاروبار کو دیکھ جاتے تھے، ایک دفعہ اس جندل میں آگ لگی اور قریب قریب ساری کوٹھیاں جل گئیں ایک کوٹھی کا ملازم اپنے انگریز آقا کے پاس دہلی بھاگا ہوا گیا اور جاکر واقعہ سنایا کہ ''حضور! سب کی کوٹھیاں جل گئیں اور آپ کی بھی جل گئی'' وہ انگریز کچھ لکھ رہا تھا، نہایت اطمینان سے لکھتا رہا

(۱) ترمذي:٦٦٠

اس نے التفات بھی نہیں کیا۔ ملازم نے دوبارہ زور سے کہا کہ ”حضور! سب جل گیا“ اس نے دوسری دفعہ بھی لاپرواہی سے جواب دے دیا کہ میری کوٹھی نہیں جلی اور بے فکر لکھتا رہا، ملازم نے جب تیسری دفعہ کہا تو انگریز نے کہا ”میں مسلمانوں کے طریقہ پر زکوۃ ادا کرتا ہوں اس لیے میرے مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا“ وہ ملازم تو جواب دہی کے خوف کے مارے بھاگا ہوا گیا تھا کہ صاحب کہیں گے کہ ہمیں خبر بھی نہیں کی، وہ انگریز کے اس لاپرواہی سے جواب کو سن کر واپس آگیا، آکر دیکھا تو واقع میں سب کوٹھیاں جل چکی تھیں مگر اس انگریز کی کوٹھی باقی تھی۔ (۱)

ایک اور حیرت انگیز واقعہ

ایک واقعہ اسی نوع کا حضرت شیخ الحدیث زکریا صاحب رحمہ اللہ نے انہی کے ایک متعلق کا نہایت حیرت انگیز بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”مظاہر علوم سہارنپور کے ابتدائی محسنین میں سے ایک صاحب حافظ فضل حق تھے، ان کا تکیہ کلام تھا ”اللہ کے فضل سے، ہر بات میں یہی کہا کرتے تھے کہ اللہ کے فضل سے یہ ہوا، اللہ کے فضل سے وہ ہوا، ایک مرتبہ انہوں نے حضرت مولانا محمد مظہر صاحب رحمہ اللہ سے صبح کو یہ عرض کیا کہ حضرت جی! رات تو اللہ کے فضل سے اللہ کا غضب ہوگیا، حضرت بھی یہ فقرہ سن کے ہنس پڑے، اور دریافت کیا کہ حافظ جی! اللہ کے فضل سے اللہ کا کیا غضب ہوگیا؟ انہوں نے عرض کیا کہ رات میں سو رہا تھا اور مکان میں میں اکیلا ہی تھا، آنکھ کھلی تو دیکھا کہ تین چار آدمی میرے کوٹھے کے کواڑوں کو چمٹ رہے ہیں، میں نے ان سے بیٹھ کر پوچھا کہ ابے تم چور ہو؟ کہنے لگے ہاں ہم چور ہیں، میں نے کہا کہ سنو، میں شہر کے رؤساء میں سے ہوں اور مدرسہ کا خزانہ بھی میرے پاس

---

(۱) آپ بیتی: ۲/۸۰

ہے، اور سارا کا سارا اسی کوٹھے میں ہے، اور یہ تالا جو اس کو لگ رہا ہے چھ پیسہ کا ہے، تمہارے باپ دادا سے بھی نہیں ٹوٹنے کا، تم تو تین چار ہو دس بارہ کو اور بلا لو، اور اس تالے کو ٹھوکتے رہو، یہ ٹوٹنے کا نہیں، میں نے حضرت جی (حضرت مولانا مظہر صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ) سے سن رکھا ہے کہ جس مال کی زکاۃ دے دی جائے وہ اللہ کی حفاظت میں ہو جاتا ہے، میں نے اس مال کی زکوۃ جتنی واجب ہے اس سے زیادہ دے دی ہے، اس لیے مجھے اس کی حفاظت کی ضرورت نہیں، اللہ میاں اپنے آپ حفاظت کریں گے۔ حضرت جی! اللہ کے فضل سے میں تو یہ کہہ کر سو گیا، میں جب پچھلے پہر کو اُٹھا تو وہ لپٹ رہے تھے، میں نے کہا کہ ارے میں نے تو کہہ دیا تھا کہ دس بارہ کو اور بلا لو، تو اللہ کے فضل سے ٹوٹنے کا نہیں، حضرت جی! یہ کہہ کر میں تو اللہ کے فضل سے نماز میں لگ گیا اور جب اذان ہو گئی تو میں ان سے یہ کہہ کر کہ میں تو نماز کو جا رہا ہوں، تم اس کو لپٹتے رہو۔

پھر حضرت جی! اللہ کے فضل سے وہ سب بھاگ گئے۔ (۱)

گناہوں سے کلی اجتناب

ہمارے لیے ایک بہت اہم کام یہ ہے کہ تمام گناہوں کو ترک کر دیں اور ان سے کلی اجتناب کریں، کیوں کہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کا غصہ بھڑک اُٹھتا ہے، لہذا اس کی رضا و خوشنودی کے لیے ہمیں چاہئے کہ تمام گناہوں کو چھوڑ دیں اور ان سے بچیں، بالخصوص وہ گناہ جن پر اللہ کا غضب زیادہ بھڑکتا ہے۔ میں یہاں ہمارے حالات کے لحاظ سے چند کی جانب اشارہ کرتا ہوں:

گانے بجانے کی لعنت

مسلم معاشرے کی تباہی اور انحطاط کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ گانا

(۱) آپ بیتی: ۲/ ۷۸-۷۹

بجانا ان میں عام ہو گیا ہے اور اس سلسلہ میں ان میں اور غیر قوموں میں بظاہر کوئی امتیاز نہیں نظر آتا، حالانکہ اس کی حرمت پر بے شمار دلائل ہیں، اور اس پر سخت ترین وعیدیں بھی ہیں۔ مثلاً:

« عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ ﷺ مَرْفُوْعًا: يُمْسَخُ قَوْمٌ مِّنْ أُمَّتِيْ فِيْ آخِرِ الزَّمَانِ قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَيَشْهَدُوْنَ أَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَأَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، قَالَ: نَعَمْ وَيُصَلُّوْنَ وَيَصُوْمُوْنَ وَيَحُجُّوْنَ، قَالُوْا: فَمَا بَالُهُمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: اِتَّخَذُوْا الْمَعَازِفَ وَالْقِيْنَاتِ وَالدُّفُوْفَ وَيَشْرَبُوْنَ هٰذِهِ الْاَشْرِبَةَ فَبَاتُوْا عَلٰى لَهْوِهِمْ، فَأَصْبَحُوْا قِرَدَةً وَخَنَازِيْرَ. » [1]

(حضرت ابو ہریرہ ﷺ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آخری زمانہ میں میری امت کے کچھ لوگ بندر اور خنزیر کی شکل میں مسخ ہو جائیں گے، صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا وہ تو حید و رسالت کا اقرار کرتے ہوں گے؟ فرمایا: ہاں، وہ (برائے نام) نماز، روزہ، اور حج بھی کریں گے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر ان کا یہ حال کیوں ہوگا؟ فرمایا: وہ آلاتِ موسیقی، رقاصہ عورتوں اور طبلہ اور سارنگی وغیرہ کے رسیا ہوں گے اور شرابیں پیا کریں گے (بالآخر) وہ رات بھر مصروفِ لہو ولعب رہیں گے اور صبح ہوگی تو بندر اور خنزیروں کی شکل میں مسخ ہو چکے ہوں گے۔ (معاذ اللہ)

(۱) أبو نعيم فی حلية الأولياء: ۱۱۹/۳، ابن ابی الدنيا فی ذم الملاهی: ۷۹/۱، سعيد بن منصور فی السنن كما فی المحلیٰ لابن حزم الظاهری: ۵۶۴/۷

اس حدیث میں ان مسلمانوں کا ذکر کیا گیا ہے جو بظاہر نمازی بھی ہوں گے، روزہ کے پابند بھی ہوں گے اور حج پر حج بھی کریں گے، مگر اسی کے ساتھ گانے بجانے، ناچنے نچانے اور ڈھول باجے اور میوزک و موسیقی کے دلدادہ اور شراب کے عادی اور رسیا ہوں گے، ان کو اللہ تعالیٰ خنزیر اور بندر کی شکل میں مسخ کر دیں گے، یہ لوگ رات بھر مصروفِ لہو و لعب رہ کر سوئیں گے اور جو صبح اٹھیں گے تو مسخ شدہ اٹھیں گے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

«عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : يَبِيْتُ قَوْمٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى طَعَامٍ وَ شَرَابٍ وَ لَهْوٍ، فَيُصْبِحُوْنَ قَدْ مُسِخُوْا قِرَدَةً وَ خَنَازِيْرَ، وَلَيُصِيْبَنَّهُمْ خَسْفٌ وَ قَذْفٌ حَتّٰى يُصْبِحَ النَّاسُ فَيَقُوْلُوْنَ : خُسِفَ اللَّيْلَةَ فُلَانٌ أَوْ خُسِفَ اللَّيْلَةَ بِبَنِيْ فُلَانٍ ، وَلَيُرْسِلَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ الَّتِيْ أَهْلَكَتْ عَاداً بِشُرْبِهِمُ الْخَمْرَ وَأَكْلِهِمُ الرِّبَا وَاتِّخَاذِهِمُ الْقِيْنَاتِ وَلُبْسِهِمُ الْحَرِيْرَ وَ قَطِيْعَتِهِمُ الرَّحِمَ.» (۱)

(حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت میں سے ایک قوم حرام کھانے، شراب اور لہو و لعب میں رات گزارے گی، پس صبح کریں گے تو بندروں اور سوروں کی شکل میں مسخ ہو چکے ہوں گے، اور ان کو زمین میں دھنسایا جائے گا

(۱) ذم الملاهي لابن ابی الدنیا: ۱/۶۸

اور اوپر سے ان پر پتھر برسائے جائیں گے، یہاں تک کہ لوگ صبح میں کہیں گے کہ رات فلاں کو، فلاں کے بچوں کو زمین میں دھنسا دیا گیا، اور ان لوگوں پر ان کے شراب پینے، سود کھانے، گانے بجانے والیوں کو رکھنے، ریشم پہننے اور رشتہ توڑنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ وہ سخت ہوا چھوڑے گا جس نے قوم عاد کو ہلاک کیا تھا۔)

ان حدیثوں سے گانے بجانے کی حرمت صاف طور پر ثابت ہوتی ہے، لہٰذا ولیمہ یا شادی یا کسی اور تقریب کے موقعہ پر یا بلا تقریب یوں ہی گانا بجانا حرام وناجائز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں گانا بجانا، رقص وناچ حرام ہے۔ افسوس کہ آج بہت سے دیندار کہلانے والے اور نمازوں اور روزوں کے پابند اور حج پر حج کرنے والے اور عمرے پر عمرے کرنے والے لوگ بھی اپنے گھروں میں ٹی وی رکھ کر اس کا استعمال گانے بجانے اور فلموں اور ناچ ورقص دیکھنے کیلئے کرتے ہیں اور تقریبات، شادیوں اور ولیموں کے موقعہ پر بلا روک ٹوک یہ ساری برائیاں عام ہو چکی ہیں، اور اس سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ موبائیل فون میں بھی گانے بجانے کی سہولت نے نیک کہلانے والوں کو بھی اس میں ملوث کر دیا ہے، حتیٰ کہ اس کی وجہ سے مساجد بھی گانے بجانے کی آواز سے محفوظ نہیں رہے۔

اس صورت حال میں ہم اللہ سے مدد ونصرت اور عافیت وراحت کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں جب کہ ہمارے کام ایسے ہیں جو اللہ کے عذاب وقہر کو دعوت دے رہے ہیں؟

بے حیائی، فحاشی، عریانی اور خدائی عذابات

ایک اور خاص بات جس میں آج بہت زیادہ غفلت برتی جارہی ہے یہ ہے کہ

بے حیائی، عریانی اور فحاشی عام ہوگئی ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جس سے خدا کا غضب بھڑک اٹھتا ہے اور خدا کی غیرت کو جوش آتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس قوم میں بے حیائی عام ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس میں طاعون پھیلا دیتے ہیں۔ (۱)

محدث ابن ابی الدنیا نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک شخص نے کہا کہ زلزلہ کے بارے میں بیان فرمایئے، تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ جب لوگ زنا کو مباح کام کی طرح بے باکی سے کرنے لگتے ہیں اور شرابیں پیتے ہیں اور معازف (باجے) بجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کو آسمان پر غیرت آتی ہے اور زمین کو حکم فرماتے ہیں کہ ان کو ہلا ڈال۔ (۲)

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں زلزلہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اے لوگو! یہ کیا ہے؟ تم نے کس قدر جلدی نئی نئی باتیں ایجاد کر لی ہیں؟ اگر دوبارہ ایسا ہوا تو میں تمہارے درمیان نہیں رہوں گا۔ (۳)

اور جعفر بن برقان کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے (تمام شہروں میں) لکھ بھیجا:

”إن هذا الرجف يعاقب الله به العباد ، وقد كتبت إلى الأمصار أن يخرجوا يوم كذا من شهر كذا ،فمن كان عنده شيء فليتصدق“

(یہ زلزلہ اللہ کا عقاب ہے جس سے وہ بندوں کو سزا دیتا ہے، میں نے تمام شہروں میں لکھ بھیجا ہے کہ وہ فلاں دن فلاں مہینہ میں (دعاء

(۱) الکبائر: ۳۵

(۲) العقوبات لابن ابی الدنیا: ۲۹

(۳) العقوبات لابن ابی الدنیا: ۳۱

کے لیے) نکلیں اور جس کے پاس کچھ ہو وہ صدقہ بھی دے)(۱)

بے حیائی کا تباہ کن نتیجہ ایڈز اور سوزاک اور آتشک

مذکورہ بالا حدیث کے مطابق بے حیائی اور فحاشی کے نتیجہ میں ایسی ایسی بیماریاں جنم لے رہی ہیں جن کا پہلے لوگوں کو کوئی علم نہ تھا یا ایسی بیماریاں وجود میں آرہی ہیں جن کا کوئی علاج نہیں۔ بے حیائی کے نتیجہ میں سوزاک جیسی مہلک بیماری میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک بار سوازک ہمیشہ کے لیے سوزاک ہے۔ یہ پیشاب کی نالی کا ایک زخم ہے جو کبھی سوکھنے کا نام نہیں لیتا بل کہ ڈاکٹروں کے بقول یہ متعدی امراض میں سے ہے۔ اسی طرح آتشک بھی ہے، ڈاکٹر ہوکر اپنی کتاب (LAWS OF SEX) جنسی قوانین میں لکھتا ہے کہ تیس اور چالیس ہزار کے درمیان میں بچوں کی اموات صرف موروثی آتشک کی بدولت ہوتی ہیں۔ دق کے سوا تمام امراض سے جتنی موتیں واقع ہوئی ہیں ان میں سب سے زیادہ تعداد ان اموات کی ہے جو آتشک کی بدولت ہوتی ہیں۔ سوزاک کے متعلق ماہرین کا کم سے کم تخمینہ یہ ہے کہ ۶۰ فیصدی جوان اشخاص اس مرض میں مبتلا ہیں جن میں شادی شدہ بھی ہیں اور غیر شادی شدہ بھی۔ امراض نسوان کے ماہرین کا متفقہ بیان ہے کہ شادی شدہ عورتوں کے اعضاء جنسی پر جتنے آپریشن کیے جاتے ہیں ان میں ۷۵ فیصدی ایسی نکلتی ہیں کہ جن میں سوزاک کا اثر پایا جاتا ہے۔ (۲)

یہ سب حالات کیوں اور کس وجہ سے ہیں؟ اس کا جواب یہی ہے کہ بے حیائی اور فحاشی کی وجہ سے ہے جیسا کہ خود ڈاکٹروں اور ماہرین کا فیصلہ ہے۔

---

(۱) العقوبات: ۳۲

(۲) بحوالہ ماسونیت کیا ہے تالیف ڈاکٹر عبد الرحمان عمیرہ، ترجمہ اسعد الاعظمی: ۷۸

اسی طرح ایڈز جیسی مہلک وخطرناک بیماری کے متعلق ماہرین طب کا نظریہ بل کہ فیصلہ یہ ہے کہ اس کا بڑا اسبب رگوں سے نشہ آور چیزوں کا استعمال اور جنسی اختلاط وکثرت ہے، خواہ یہ ہم جنسی کی شکل میں ہو یا بلا امتیاز ہر قسم کی عورتوں سے جنسی تعلق قائم کرنے کی شکل میں ہو۔ اسی طرح عورتوں کو بھی یہ بیماری لاحق ہوتی ہے جب کہ زیادہ مردوں سے جنسی تعلق قائم کریں۔

امریکی ڈاکٹروں کے مطابق امریکہ میں (جہاں بے حیائی وفحاشی اپنے عروج کو پہنچی ہوئی ہے) تیس ہزار سے زیادہ افراد ایڈز کے مرض میں مبتلا ہیں، اور امریکی محکمۂ صحت کا اندازہ ہے کہ اس وقت امریکہ میں دس لاکھ سے زیادہ افراد ایڈز کے جراثیم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، افریقہ میں بیس لاکھ سے پچاس لاکھ تک کی تعداد ایڈز میں مبتلا ہے امریکہ کے محکمۂ صحت کے سکریٹری اوٹس باون کا کہنا ہے کہ اگر ہم بیماری کی روک تھام میں کوئی موثر پیش رفت نہ کر سکے تو آئندہ دس سال کے اندر دنیا کے کروڑوں افراد کے لیے ایک عالم گیر پیغام موت کا خوف ناک اندیشہ پیدا ہو گیا ہے اور اس کا اب تک کوئی کامیاب علاج دریافت نہیں ہوا ہے۔ (۱)

ان بیانات پر نظر ڈالئے اور فیصلہ کیجئے کہ کیا یہ ایک خدائی عذاب نہیں ہے جو فحاشی وعریانی اور بے حیائی کی بدولت لوگوں پر آیا ہے۔

ہندوستان میں بھی بہت سے لوگوں میں یہ مرض تشخیص ہوا ہے اس سے ڈرنا چاہئے اور اس بے حیائی سے باز آنا چاہئے۔

عورتوں کی بے پردگی

اور اس میں زیادہ دخل عورتوں کی بے پردگی کو ہے۔ آج ہمارے اندر سے پردہ

(۱) امریکی رسالہ ٹائم مورخہ ۶ فروری ۱۹۸۷ بحوالہ البلاغ کراچی رجب ۱۴۰۷

بالکل رخصت ہوگیا ہے اور ہے بھی تو وہ اسلامی وشرعی پردہ نہیں بل کہ ایک فیشن ہے جس سے اسلام کا مقصد قطعاً پورا نہیں ہوتا، اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والی لڑکیاں جس قدر بے حیائی و بے پردگی میں مبتلا ہیں وہ کہنے کے لائق نہیں، اور نہ اس کے کہنے کی ضرورت ہے، اور حد یہ ہے کہ اس بے حیائی کا نام خوش اخلاقی و بلند خیالی اور روشن دماغی رکھا گیا ہے۔

اس کے ساتھ خدا سے یہ شکوہ بھی ہے کہ ہم پر رحمت ونصرت نہیں کی جاتی اور ہمیں عزت وسر بلندی سے ہمکنار نہیں کیا جاتا؟ غور کیجیے اس حالت کے ساتھ رحمت ونصرت کے سلامتی وامن کے عزت وسر بلندی کے فیصلے کیسے ہو سکتے ہیں؟

ٹیلی ویژن کے خطرناک جراثیم

اس بے حیائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب میں ٹیلی ویژن کا سب سے زیادہ دخل ہے ،اس کی تصویروں اور خطرناک پروگراموں نے چند سالوں میں وہ کچھ کر کے دکھایا ہے جو سیکڑوں سالوں میں بھی نہیں کیا جا سکتا،لوگ شرم وحیاء، غیرت و وقار کھو بیٹھے، عفت و پاک دامنی سے ہاتھ دھو بیٹھے اور حیا سوز، اخلاق سوز، انسانیت سوز افعال وحرکات علی الاعلان کرنے میں بھی کوئی باک نہ رہا۔ ان چیزوں کی وجہ سے یورپی ممالک کا حال کیا ہوا؟ اس کا کچھ اندازہ درجہ ذیل بیانات سے ہوسکتا ہے جج بن لنڈ سے لکھتا ہے: امریکہ میں بچے از وقت بالغ ہونے لگتے ہیں اور بہت کچی عمر میں ان کے اندر صنفی احساسات بیدار ہو جاتے ہیں۔ (۱)

امیلپورلیسی (EMILE POURCISY) اپنی ایک رپورٹ میں لکھتا ہے:

---

(۱) ماسونیت کیا ہے: ۴۷

''یہ گندے فوٹوگراف لوگوں کے حواس میں شدید ہیجان واختلال برپا کرتے ہیں اور اپنے بدقسمت خریداروں کو ایسے ایسے جرائم پراکساتے ہیں جن کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں لڑکوں اور لڑکیوں پر انکا تباہ کن اثر حد بیان سے زیادہ ہے بہت سے مدرسے اور کالج انہی کی بدولت اخلاقی اور جسمانی حیثیت سے برباد ہوچکے ہیں خصوصاً لڑکیوں کے لیے کوئی چیز اس سے زیادہ غارت نہیں ہوسکتی''۔(۱)

جج بن لنڈ سے کہتا ہے:

''ہائی اسکولوں کی کم عمر والی ۴۹۵ لڑکیاں جنہوں نے خود مجھ سے اقرار کیا کہ ان کو لڑکوں سے صنفی تعلقات کا تجربہ ہوچکا ہے کہ ان میں صرف ۱۲۵ ایسی تھیں جن کو حمل ٹھہر گیا تھا۔ باقیوں میں سے بعض اتفاقاً بچ گئی تھیں لیکن اکثر کو منع حمل کی موثر تدابیر کا کافی علم تھا۔ یہ واقفیت ان میں اتنی عام ہوچکی ہے کہ لوگوں کو اس کا صحیح اندازہ نہیں ہے''۔(۲)

یہ حالت تصویر کا نتیجہ قرار دی گئی ہے اور ٹیلی ویژن کا معاملہ تو اس سے بھی آگے ہے اس کو اس پر قیاس کر کے دیکھ لیں۔

غرض یہ کہ ٹیلی ویژن کے خطرناک جراثیم لوگوں کے دلوں اور دماغوں کو خراب کرچکے ہیں جس سے فحش و بے حیائی عام ہوتی جارہی ہے مگر افسوس کہ آج مسلمان بھی یہ کہتے نہیں شرماتا کہ ٹیلی ویژن سے ہماری زندگی وابستہ ہے۔ اس کے باجود رحمت کی امید، سراسر حماقت اور دھوکہ نہیں تو اور کیا ہے۔

---

(۱) ایضاً ۷۵

(۲) ماسونیت کیا ہے ۷۶

عیش پرستی کا نتیجہ

ہماری تباہی وانحطاط کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہم اپنے دنیا میں آنے کا سب سے بڑا اور عظیم مقصد عیش وراحت کی دنیوی زندگی کو قرار دے چکے ہیں ،لہٰذا ہم زندگی کی آسانیوں، سامان راحت میں واشگافیوں اوران میں نازک خیالوں کے پیچھے پڑ گئے ہیں اوران میں ترقی، ہرقسم کی نفاست میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا اورایک دوسرے پرفخر کرنا ہمارامحبوب مشغلہ بن گیا ہے۔ دنیا کی فانی چیزوں میں بہترین صناعی اور سامان آرائش وراحت میں نزاکتیں تلاش کرنا ہمارا اہم ترین کام ہوگیا ہے مختلف تراش خراش اور نئے نئے فیشن کی چیزوں کے لیے اسفار کرنا، بازاروں کے متعدد گشت کرنا اوراس کے لیے بڑی بڑی رقمیں خرچ کرنا ہمارا سب سے بڑا فخر اور ہماری عزت کا سب سے بڑا ذریعہ ہوگیا ہے۔ کھانے پینے کی مختلف قسموں کی فکر، انواع واقسام کے کپڑوں کا خیال، اوراچھے اچھے گھر، اونچے اونچے کوٹھوں اور نفیس بنگلوں پر نظر ہی ہمارااوڑھنا اور بچھونا بن گیا ہے، ہم میں سے معمولی وادنی آدمی بھی اس شخص کو عزت نہیں دیتا جس کے پاس اچھا گھر، خوش خوراک، بہترین سواری، کھانے پینے کے تکلفات اورلباس وپوشاک میں نزاکت وتجمل نہ ہو، غرض یہ کہ ہم پورے طور پر عیش پرستی اور فانی لذت اندوزی میں خطرناک حدتک ملوث ہو چکے ہیں اوراس کی وجہ سے آخرت سے غفلت، خدااوررسول کی تعلیمات سے بے پروائی میں مبتلا اور حلال وحرام کی تمیز سے خالی وعاری ہو چکے ہیں۔ یہ وہ خطرناک حد ہے جس پر پہنچتے ہی پہلے بڑی بڑی قوموں کو ہلاک وتباہ کردیا گیا تھا یہ آیت ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں:

﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا،فَتِلْكَ

مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلاً ﴾ (القصص: ۵۷)

(اور ہم بہت سی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھے سو یہ ان کے گھر ہیں کہ ان کے بعد آبادہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کے لیے۔)

ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيْراً ﴾ (الإسراء: ۱۶)

(اور جب ہم کسی قریہ والوں کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے عیش پسند لوگوں کو حکم دیتے ہیں، پس وہ اس میں گناہ کرتے ہیں، پھر ان پر اللہ کا قول ثابت ہو جاتا ہے، پس ہم ان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔)

لہٰذا اس سے دور ہو کر خدا کے حضور توبہ کرنا چاہیے تاکہ ہم کو ذلت و رسوائی، پستی وانحطاط کے مہیب غار سے نکال کر عزت و سربلندی عطا کی جائے۔

اتفاق واتحاد

قرآن و حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا قرآن و سنت کی بنیاد پر آپسی اتفاق واتحاد ان کی کامیابی کے اصولوں میں سے ایک اہم اصول ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿ يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوْا اللّٰهَ كَثِيْراً لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، وَأَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ وَلاَ تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ،إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾

(الأنفال: ۴۵-۴۶)

(ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم دشمن کی جماعت سے مقابل ہوتو ثابت قدم رہو، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کروتا کہ تم کامیاب ہو، اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں اختلاف مت کرو ورنہ تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی، اور صبر سے رہو بلا شبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

نیز فرمایا گیا:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلاَ تَفَرَّقُوْا﴾

(آل عمران: ۱۰۳)

(اور تم سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور آپس میں اختلاف نہ کرو۔)

اور احادیث میں بھی یہ مضمون وضاحت کے ساتھ آیا ہے، چند احادیث پیش کرتا ہوں:

(۱) ایک حدیث حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكٰى عُضْواً تَدَاعىٰ لَهُ سَائِرُ جَسَدِهٖ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى . »

(تو مسلمانوں کو دیکھے گا کہ وہ آپس میں محبت کرنے، رحم کرنے اور شفقت کرنے میں ایسے ہیں جیسے جسم کہ اسکے ایک عضو میں تکلیف ہوتو بدن کے سارے اعضاء بخار اور بے خوابی میں اسکا ساتھ دیتے ہیں۔)(۱)

(۱) بخاري:۵۵۵۲، مسلم:۴۶۷۵، مسند احمد:۱۷۶۴۸

(۲) ایک حدیث میں ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

«اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا .»

(ایک مسلمان دوسرے کے لیے ایسا ہے جیسے عمارت کہ اسکا ایک حصہ دوسرے کو مضبوط کرتا ہے)، یہ کہکر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال کر دکھایا۔)(۱)

پہلی حدیث میں امت مسلمہ کو ایک جسم کی طرح قرار دیا ہے اور اس کے افراد کو بدن کے اعضاء کی طرح فرمایا ہے اور بتایا کہ جس طرح جسم کا ایک عضو دکھ اور درد محسوس کرتا ہے تو دوسرے اعضاء بھی بے چین ہوتے اور بے خوابی اور بخار میں سب اسکا ساتھ دیتے ہیں۔ اسی طرح امت مسلمہ کا حال ہے کہ اس کا ایک فرد بھی دکھ ودرد میں مبتلا ہو تو دوسرے افرادِ امت بھی بے چین ہو جاتے ہیں یہ اتحاد کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

اسی دوسری حدیث میں امت مسلمہ کو ایک دیوار یا عمارت کے مانند قرار دیا ہے اور اس کی اینٹوں سے امت کے افراد کو تشبیہ دی ہے کہ جس طرح دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ سے مل کر مضبوط دیوار بن جاتی ہے اسی طرح امت کے افراد جب متحد ومتفق ہوں تو سیسہ پلائی دیوار کی طرح مضبوط ہوتے ہیں، لہذا افرادِ امت کو اس طرح ایک دوسرے کا تعاون کرنا اور ایک دوسرے کی تقویت کا ذریعہ بننا چاہئے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دینی رشتہ خونی رشتہ سے بھی مضبوط ہوتا ہے، چنانچہ اسلام نے مختلف خاندانوں اور قبیلوں کو مختلف ممالک اور مختلف زبانوں اور مختلف رنگ کے لوگوں کو دین اسلام کے ایک ایسے مضبوط رشتہ میں جوڑ دیا جو تمام رشتوں وتعلقات پر بھاری ہے اور سب سے زیادہ مضبوط بھی۔

---

(۱) بخاري:۵۵٦۷،مسلم:۴٦۸۴،ترمذي:۱۸۵۱،نسائي:۲۵۱۳،احمد:۱۸۷۹۸

اس لیے اسلام کو ماننے والے تمام لوگوں میں آپس میں محبت ومؤدت ہونا چاہئے ، آپس میں اتفاق واتحاد ہونا چاہئے ، ایک دوسرے سے ہمدردی وغمخواری کا جذبہ ہونا چاہئے ، خواہ رنگ ونسل میں ، حسب ونسب میں ، جغرافیائی وعلاقائی اعتبار سے وہ مختلف کیوں نہ ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اتفاق واتحاد کے بغیر دشمن پر ہم اثر انداز نہیں ہو سکتے ، اس میں کوئی شک نہیں کہ آج اس امت کی شیرازہ بندی اور اس کا اتفاق واتحاد سب سے بڑی ضرورت ہے ، لہٰذا مختلف مکاتب فکر کے لوگ اگر اپنے اپنے نظریات پر قائم رہتے ہوئے اسلام کی تقویت اور ملت اسلامیہ کی جمعیت کی خاطر اتفاق واتحاد قائم کرلیں تو یہ قوت اتنی زبردست قوت ہوگی جس کا صحیح اندازہ امت کی صفوں کے اندر موجود انتشار وپراگندی کی اس فضا میں نہیں کیا جا سکتا۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

ہمارے مسائل میں روز بروز اضافہ اور مصائب و بلیات میں دن بدن کثرت کی ایک وجہ یہ ہے کہ آج امت بحیثیت امت ایک اہم ترین فریضہ کو بھلا کر اس سے غفلت کے بدترین جرم کا ارتکاب کر رہی ہے ، اور وہ ہے دعوت الی اللہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام ، ہاں کہیں کہیں اللہ کے بندے اس کام میں لگے ہوئے ہیں ، جو آٹے میں نمک کے برابر ہوں گے ، الغرض ہم اس اہم کام سے غفلت ولاپروائی کے مجرم ہیں ، اور منجملہ اسباب مصائب ، ایک سبب احادیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ امت امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور دعوت الی اللہ کا کام چھوڑ بیٹھے۔

(۱) حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

« سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ عَلٰى أَنْ يُغَيِّرُوْا عَلَيْهِ، وَلَا يُغَيِّرُوْنَ إِلَّا أَصَابَهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ أَنْ يَمُوْتُوْا . »

(اگر کسی قوم میں کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور وہ قوم اس کو روکنے پر قدرت بھی رکھتی ہے مگر اس کو روکتی نہیں تو اللہ ان پر دنیا ہی میں مرنے سے پہلے عذاب بھیج دیتا ہے۔)(۱)

(۲) حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَاباً مِّنْ عِنْدِهٖ، ثُمَّ لَتَدْعُوْنَهٗ فَلَا يَسْتَجِيْبُ لَكُمْ . »

(قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یا تو تم امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہو، یا عنقریب اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب بھیج دے گا، پھر تم دعائیں بھی مانگو تو وہ قبول نہ کرے گا۔)(۲)

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، تو میں نے آپ کے چہرہ پر محسوس کیا کہ آپ کو کوئی

(۱) صحیح ابن حبان: ۱/۵۳۷، موارد الظمآن: ۱/۴۵۵، ابوداؤد: ۴۷۷۶، السنن الواردة فی الفتن: ۳/۶۹۴)

(۲) ترمذی: ۲۰۹۵، سنن بیہقی: ۱۰/۹۳، شعب الایمان: ۶/۸۴، مسند احمد: ۵/۳۸۸، السنن الواردة فی الفتن: ۳/۶۹۵

پریشانی پیش آئی ہے، آپ نے وضو کیا اور کسی سے کوئی بات نہیں کی اور مسجد میں منبر پر تشریف فرما ہوئے، میں حجرے کی دیوار سے لگ کے سننے لگی کہ کیا فرماتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ:

«یَآ أَیُّھَا النَّاسُ ! إِنَّ اللّٰہَ یَقُوْلُ لَکُمْ : مُرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَانْھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوْنِيْ فَلاَ أُجِیْبُ لَکُمْ وَ تَسْأَلُوْنِيْ فَلاَ أُعْطِیْکُمْ وَتَسْتَنْصِرُوْنِيْ فَلاَ أَنْصُرُکُمْ .»

(اے لوگو! اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو اس سے پہلے کہ تم مجھ سے دعائیں کرو اور میں قبول نہ کروں، اور تم مجھ سے مانگو اور میں تم کو نہ دوں، اور تم مجھ سے مدد چاہو اور میں تمہاری مدد نہ کروں۔)(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اس سے زیادہ آپ نے کچھ نہیں فرمایا، پھر منبر سے اُتر گئے۔

ان احادیث سے واضح طریقہ پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک کر دینا ایک ایسی سخت ترین غلطی اور بڑا جرم ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی مدد و نصرت کے دروازے امت پر بند فرما دیتے ہیں، اور دعاؤں کی قبولیت موقوف ہو جاتی ہے، اور حاجت کا سوال بھی رد کر دیا جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ ہماری مصیبتوں کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ ہم نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ترک کر دیا ہے، لہذا اب تو اس پر توجہ دینے کی کوشش ہونی چاہیئے، آج اس میں کیا شبہ و شک کی گنجائش ہے کہ ہم اپنے ہی گھروں اور اپنے لوگوں میں دین کو

(۱) صحیح ابن حبان:۱/۵۲۶، موارد الظمآن:۱/۴۵۵، مسند احمد:۶/۱۵۹، الترغیب: ۳/۱۶۴

پامال ہوتے اور اسکی توہین وتنقیص ہوتے خود ہی مشاہدہ کرتے ہیں، نمازوں، روزوں، اور دیگر اسلامی احکامات کا کھلواڑ کیا جاتا ہے اور ہم بلا کسی ادنی سے تغیر کے بل کہ بڑی خوش دلی کے ساتھ ان لوگوں کے ساتھ اُٹھتے بیٹھتے، کھاتے پیتے رہتے ہیں اور ہمیں کوئی غیرت اللہ کے دین کے سلسلہ میں نہیں آتی، کیا اس کے باوجود اللہ کی مدد ونصرت اور اللہ کے انعامات ورحمتیں ہماری جانب متوجہ ہوسکتی ہیں؟

نیز اسی امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں بدرجہ اولی یہ بھی داخل ہے کہ غیر مسلم بھائیوں اور برادران وطن کو بھی اسلام سے روشناس کرانے اور اسلام کے بارے میں ان کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جانی چاہیئے تا کہ ان کی غلط فہمیاں دور ہوں اور اسلام کی صحیح وسچی تصویر ان کے سامنے آئے، اور وہ اس کو قبول کرسکیں۔

تدبیر وحکمت

تیسری بات یہ کہ انسان پر پیش آنے والے مصائب وحالات دوقسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جن کا تدارک ومقابلہ کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی سبیل وتدبیر ہوتی ہے اور دوسرے وہ جن میں ہمارے پاس کوئی سبیل وتدبیر نہیں ہوتی، جن حالات کے دفعیہ کے لیے ہمارے پاس کوئی سبیل وراستہ ہو اس میں حکم یہ ہے کہ ہم اس سبیل وتدبیر وحکمت کو اختیار کریں اور اسی کے ساتھ ساتھ تدبیر وحکمت میں کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعاء والتجاء کریں۔ مثلاً بیماری ہے تو علاج کرائے، بھوک لگی ہے تو کھانا کھائے، پیاس میں پانی پیئے، دشمن کے حملہ کے وقت اس کا مقابلہ کرے، وغیرہ، اللہ کے پیدا کردہ اسباب کو اختیار نہ کرنا اور ترک اسباب کے ساتھ محض توکل ودعاء کرنا شریعت وسنت کے خلاف ہے، کیوں کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور دیگر تمام انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام نے اللہ کے بنائے ہوئے

اسباب کوضرورت پر اختیار کیا ہے، ہاں اسی کے ساتھ اللہ سے دعائیں بھی کرنا بھی سنت ہے۔

یہ مسئلہ قرآن وحدیث کی تعلیمات سے واضح ہے، مثلاً فرمایا:

﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ، لَاتَعْلَمُوْنَهُمْ، اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ (الأنفال : ٦٠)

(اوران سے مقابلے کے واسطے جس قدر ہوسکے قوت اور پلے ہوئے گھوڑوں میں سے جمع کروتا کہ اس سے دھاک بٹھاؤ اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر اور دوسروں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ ان کو جانتا ہے۔)

اس آیت میں اہل اسلام کو تدبیر کرتے ہوئے اپنی قوت کو مضبوط ومجتمع کرنے کا حکم دیا گیا ہے تاکہ دشمن کا مقابلہ کیا جاسکے، اور اپنی دفاعی پوزیشن مضبوط کی جاسکے۔

مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''سامان جنگ کی تیاری کرو کفار کے لیے جس قدر تم سے ہوسکے اس میں سامان جنگ کی تیاری کے ساتھ '' ما استطعتم'' کی قید لگا کر یہ اشارہ فرمادیا کہ تمہاری کامیابی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے مقابل کے پاس جیسا اور جتنا سامان ہے تم بھی اُتنا ہی حاصل کرلو، بل کہ اتنا کافی ہے کہ اپنی مقدور بھر جو سامان ہوسکے وہ جمع کرلو تو اللہ تعالیٰ کی نصرت وامداد تمہارے ساتھ ہوگی، اس کے بعد اس سامان کی کچھ تفصیل اس طرح فرمائی '' من قوة '' یعنی مقابلہ کی قوت جمع کرو، اس

میں تمام جنگی سامان، اسلحہ، سواری وغیرہ بھی داخل ہیں اور اپنے بدن کی ورزش فنون جنگ کا سیکھنا بھی، قرآن کریم نے اس جگہ اس زمانے کے مروجہ ہتھیاروں کا ذکر نہیں فرمایا بل کہ قوت کا عام لفظ اختیار فرما کر اس طرف اشارہ کردیا کہ قوت ہر زمانہ اور ہر ملک و مقام کے اعتبار سے مختلف ہوسکتی ہے، اس زمانے کے اسلحہ تیر، تلوار، نیزے تھے، اس کے بعد بندوق توپ کا زمانہ آیا، پھر بموں اور راکٹوں کا وقت آگیا، لفظ قوت اب سب کو شامل ہے۔ اس لئے آج کے مسلمانوں کو بقدرِ استطاعت ایٹمی قوت، ٹینک، اور لڑاکا طیارے آب دوز کشتیاں جمع کرنا چاہئے کیونکہ یہ سب اسی قوت کے مفہوم میں داخل ہیں، اور اس کے لیے جس علم وفن کو سیکھنے کی ضرورت پڑے وہ سب اگر اسی نیت سے ہو کہ اس کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں سے دفاع کا اور کفار کے مقابلہ کا کام لیا جائے گا تو وہ بھی جہاد کے حکم میں ہے۔ (۱)

مگر اس سلسلہ میں ایک بات ذہن میں آتی ہے کہ یہ کام عوام الناس کا نہیں کہ وہ اس سلسلہ میں قوت کو جمع کریں، کیونکہ یہ بات ان کے اختیار سے باہر ہے، کوئی ملک اپنی رعایا کو اس کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ یہ اسباب جمع کریں، حتی کہ اسلامی ملک بھی اس کی عوام کو اجازت نہیں دیتا، اور بالخصوص موجودہ دور میں اس کا کوئی امکان بھی نظر نہیں آتا کہ عوام الناس یہ کام کریں، لہذا اس آیت کا تعلق اسلامی حکومتوں اور اس کے ذمہ داروں اور سیاسی عہدے داروں سے ہونا چاہئے۔

ہاں البتہ حفاظت خود اختیاری کا سامان اور اس کے لیے مشق وتربیت ہر انسان کا

(۱) معارف القرآن: ۴/۲۷۲

ایک فطری حق ہے، اور خود ہر ملک کے قوانین میں اس کی اجازت بھی ہے، قوانین کے دائرہ میں رہتے ہوئے ان کو اختیار کیا جائے، لہذا اس کا اہتمام کرنا بھی ہمارا حق وفرض ہے۔

بہر حال ان تدابیر کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع بھی ضروری ہے تا کہ تدبیر میں جان پڑ جائے اور وہ کامیاب ہو، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ،اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ. ﴾

(الانفال: ۴۵-۴۶)

(اے ایمان والو! جب تم دشمن کی جماعت سے مقابل ہو تو ثابت قدم رہو، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو تا کہ تم کامیاب ہو اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں اختلاف مت کرو ورنہ تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی اور صبر سے رہو، بلا شبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔)

اس آیت میں ایک طرف اگر یہ حکم دیا گیا ہے کہ کفار کے مقابلے کے وقت ثابت قدمی کا مظاہرہ کرو اور یہ کہ آپسی اختلاف نہ کرو تو دوسری جانب یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اللہ کو یاد کرو، اور اللہ ورسول کی اطاعت کرو تا کہ تم کو کامیابی ملے، اور یہ ثابت قدمی کا مظاہرہ اور اختلاف سے بچنا ظاہری تدابیر ہیں۔ معلوم ہوا کہ تدبیر اختیار کرنے کی تعلیم بھی دی گئی ہے اور اللہ سے تعلق اور اس کی جانب رجوع وانابت کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

نبی علیہ السلام کا اسوہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی ایک مختصر اور چھوٹی سی ۳۱۳ افراد پر مشتمل جماعت کو لیکر غزوۂ بدر میں تشریف لے گئے تو وہاں میدان جنگ میں ایک کنارے پر آپ اللہ سے مناجات و دعاء میں مشغول ہو گئے، اور قبلہ رو ہو کر اپنے ہاتھوں کو پھیلا کر یہ دعاء فرما رہے تھے "اے اللہ آپ نے جو مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ پورا کر دیجئے، اے اللہ! اگر مسلمانوں کی اس جماعت کو آپ نے ہلاک کر دیا تو پھر اس زمین پر کوئی آپ کی عبادت کرنے والا نہیں رہیگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل دعاء میں مشغول تھے کہ آپ کے کندھوں سے چادر گر پڑی، یہ دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کو چادر اُڑھا دی اور پیچھے سے آپ کو چمٹ گئے اور عرض کیا کہ اے نبی اللہ! اپنے رب سے یہ مناجات بس کیجئے، اللہ آپ کا وعدہ ضرور پورا کرے گا۔ (۱)

دیکھئے ایک طرف آپ میدان میں آئے ہیں اور دوسری جانب آپ اللہ کی طرف متوجہ ہیں اور دعائیں فرماتے ہوئے التجائیں کر رہے ہیں اور اللہ سے اپنا وعدہ پورا فرمانے کی درخواست کر رہے ہیں۔

یہی مومن کی شان ہے کہ وہ صرف اسباب پر بھروسہ نہیں کرتا، بل کہ مسبب الاسباب پر اعتماد و توکل کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسباب میں کوئی طاقت نہیں، طاقت تو اللہ کے پاس ہے۔

رجوع الی اللہ اور ذکر و دعاء کا اہتمام

اور جن حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی تدبیر نہ ہو یا ہم اس

(۱) بخاری: ۳۳۰۹، ترمذی: ۳۰۰۶

تدبیر پر اختیار نہ رکھتے ہوں وہاں تو بدرجہ اولی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اللہ کی طرف رجوع وانابت اور اس سے دعاء والتجاء کریں۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے فرعون کے مظالم سے نجات حاصل کرنا چاہی تو یہی کام کیا تھا، قرآن میں ان کے قصے میں آیا ہے کہ:

''حضرت موسی علیہ السلام پر شروع میں ان کی قوم کے تھوڑے ہی لوگ ایمان لائے کیونکہ فرعون اور حکام کا ان کو ڈر تھا، اور فرعون اس ملک میں زور دار تھا اور ظلم بھی کرتا تھا، لہذا حضرت موسی نے ان لوگوں سے کہا کہ اگر تم سچے مؤمن ہو تو اللہ ہی پر توکل کرو، لوگوں نے جواب میں کہا کہ ہم اللہ ہی پر توکل کرتے ہیں، پھر اللہ سے دعاء کی کہ یا پروردگار! ہم کو ظالموں کا تختۂ مشق نہ بنا، اور ہم کو اپنی رحمت سے کافروں سے نجات دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسی اور حضرت ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ ان لوگوں کے لیے گھروں میں نماز کا نظام کردو اور یہ کہ یہ سب لوگ نماز کی پابندی کیا کریں، حضرت موسی نے دعاء کی کہ اے اللہ! آپ نے فرعون کو جو مال ودولت دی ہے جس سے وہ لوگوں کو آپ کے راستے سے گمراہ کرتا ہے، ان کو نیست ونابود کردے اور ان کے دلوں کو سخت کردے، تاکہ وہ ایمان ہی نہ لاسکیں اور عذاب سے ہمکنار ہوں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری دعاء قبول کرلی گئی ہے لہذا تم استقامت سے رہو اور جاہلوں کے راستے کی پیروی نہ کرو''۔

اس قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے توکل علی اللہ اور نماز کا حکم دیا، اور حضرت موسی علیہ السلام نے بھی بنی

اسرائیل کو اسی کا حکم دیا کہ اللہ پر توکل و اعتماد کرو، کیونکہ فرعون کی طاقت کا مقابلہ کرنے کی بظاہر اسباب ان کے پاس کوئی تدبیر و سبیل نہیں تھی۔

آج مسلمانوں کی حالت بہت سے ملکوں میں اسی کے مشابہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ عوام مسلمان بظاہر کسی قسم کی طاقت وقوت نہیں رکھتے اور نہ ان کے لیے موجودہ حالات میں بظاہر اس کا امکان ہے، لہذا ان کو بھی لامحالہ یہی کرنا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ سے دعاء والتجاء اور اس کی طرف رجوع وانابت تو ہمارے لیے ہر صورت میں ضروری ہے خواہ ہمارے پاس کوئی تدبیر ہو یا نہ ہو، فرق ہے تو صرف یہ کہ تدبیر ہونے کی صورت میں تدبیر بھی اختیار کی جائیگی اور اسی کے ساتھ دعاء والتجاء بھی کی جائیگی، اور تدبیر نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک کام کیا جائے گا اور وہ اللہ تعالی سے دعاء والتجاء ہے۔

دعاء وذکر کی طاقت

مگر افسوس کہ آج مسلم معاشرہ اس سے بھی غافل و جاہل ہے کہ اللہ کے ذکر میں اور اس سے لو لگانے میں اور اس سے دعائیں کرنے میں کیا طاقت ہے، اب اس کے پاس نہ ظاہری طاقت ہے اور نہ باطنی قوت، دونوں سے خالی و عاری ہو کر وہ اپنے طاقت ور اور مضبوط دشمن کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے، بھلا کیسے کامیابی ہوسکتی ہے؟ یا تو اس کے پاس ظاہری قوت ہونا چاہئے یا باطنی طاقت ہونا چاہئے۔

نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مختلف مصائب و آفات و بلیات میں مختلف اذکار و دعائیں بتائی ہیں جن میں عجیب وغریب تأثیر موجود ہے، ان کو استعمال کرنے اور فائدہ اُٹھانے کی ضرورت ہے، مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ حضرت رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فرمایا کہ میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جس کو کوئی بھی

مصیبت زدہ پڑھے تو اللہ اس کو اس مصیبت سے نکال دیتا ہے۔ یہ میرے بھائی یونس عَلَیْہِ السَّلَام کا کلمہ ہے جو انہوں نے اندھیریوں میں پکارا تھا، وہ یہ ہے:

﴿ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰـنَکَ اِنِّيْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾

(ترجمہ: کوئی معبود نہیں سوائے تیرے، بلا شبہ میں ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔)(۱)

ایک حدیث میں ہے کہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ مجھے جب بھی کسی معاملہ نے پریشان کیا تو جبرئیل نے آکر مجھ سے کہا کہ آپ یہ پڑھیں:

﴿ تَوَکَّلْتُ عَلَی الْحَيِّ الَّذِيْ لَايَمُوْتُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَداً وَّلَمْ يَکُنْ لَّـهٗ شَرِيْکٌ فِي الْمُلْکِ، وَلَمْ يَکُنْ لَّـهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَ کَبِّرْهُ تَکْبِيْراً . ﴾

(میں اس زندہ ذات پر توکل و اعتماد کرتا ہوں جس کو کبھی موت نہیں، تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو نہ بیٹا رکھتا ہے، اور نہ سلطنت میں اس کا کوئی شریک ہے، اور نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا مددگار ہے، اور تو اس کی بڑائی بیان کر۔)(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ و توجہ الی اللہ و رجوع الی اللہ میں بڑے دوررس اور گہرے اثرات ہوتے ہیں، اور ان کی وجہ سے پریشانیاں دور ہوتی اور مسائل حل ہوتے اور حاجات پوری ہوتی ہیں۔ لہذا ان کا اہتمام کرنے کا عہد کیا جائے اور اللہ سے لو لگائی جائے۔

---

(۱) ابن عدی فی الکامل: ۱۵۰/۵، کنز العمال: ۵۴/۲، حدیث: ۳۴۲۴

(۲) الجامع الصغیر: کنز العمال: حدیث: ۳۴۲۱

ہماری پریشانیاں ومسائل

آج ہمیں جو مسائل ومشکلات درپیش ہیں ان سے سب واقف ہیں، دشمنوں کی ایذاء رسانیاں، ظلم وتشدد، سازشوں کا جال، جادومنتر، شیاطین وجنات کے حملے، جان و مال عزت وآبرو کا نقصان ، بیماریاں اور حوادثات وغیرہ ،ان سارے ہی حالات ومسائل میں ہمیں اللہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہے، کیوں کہ وہی قادر مطلق وقاضی الحاجات ودافع البلیات ومشکل کشا وحاجت روا ہے،اوراس کے بغیر ہمارا کوئی مسئلہ حل ہونے والانہیں ،تدبیر موجود ہوتو تدبیر کرتے ہوئے اور اگر کوئی تدبیر نہ ہوتو بلا تدبیر صرف اسی کو پکارا جائے اور اس سے التجائیں کی جائیں اور اللہ کی قدرت کا کرشمہ دیکھا جائے۔

دشمن سے جان ومال کی حفاظت کانسخہ

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی بعض صاحبزادیوں سے فرمایا کہ جب تو صبح کرے تو یہ دعاء پڑھ لینا، کیوں کہ جو بھی اس کو صبح میں پڑھتا ہے شام تک اس کی حفاظت کی جاتی ہے اور جو شام میں پڑھتا ہے صبح تک اس کی حفاظت کی جاتی ہے، وہ دعاء یہ ہے:

﴿ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ وَلاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ، مَا شَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَ مَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ ، أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ،وَأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْماً .﴾

(میں اللہ کی پاکی اس کی حمد کے ساتھ بیان کرتا ہوں اور کوئی قوت وطاقت نہیں ہے مگر اللہ ہی سے، جو اللہ چاہیں وہی ہوتا ہے اور

وہ جو نہ چاہیں وہ نہیں ہوسکتا، میں جانتا ہوں کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور یہ کہ اللہ ہر چیز کو اپنے علم سے احاطہ کئے ہوئے ہیں۔)(۱)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا حیرت انگیز واقعہ

ذکر اللہ کی برکت سے جان و مال کی حفاظت کس طرح ہوتی ہے؟ اس کا اس واقعہ سے اندازہ کیجئے، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ معروف صحابی ہیں، بڑے فضائل و مناقب کے حامل ہیں۔ ایک مرتبہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور اس نے خبر دی کہ آپ کا گھر جل گیا، آپ نے کہا کہ نہیں جلا، پھر دوسرا آدمی آیا اور کہا کہ اے ابودرداء! آگ بھڑک اُٹھی تھی لیکن جب آپ کے گھر تک پہنچی تو بجھ گئی، آپ نے کہا کہ میں جانتا تھا کہ اللہ ایسا نہیں کرے گا۔ لوگوں نے کہا کہ اے ابودرداء! ہمیں نہیں معلوم کہ آپ کی کونسی بات زیادہ تعجب خیز ہے؟ آپ کی یہ بات کہ گھر نہیں جلا یا یہ بات کہ اللہ ایسا نہیں کرے گا، آپ نے فرمایا کہ یہ میں نے اس لیے کہا تھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چند کلمات سنے تھے کہ جو ان کو صبح میں پڑھتا ہے اس کو شام تک کوئی مصیبت نہیں پہنچتی اور جو شام میں پڑھتا ہے اس کو صبح تک کوئی مصیبت نہیں پہنچتی، وہ یہ ہیں:

﴿ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّیْ لاَ إِلٰـهَ إِلَّا أَنْتَ عَلَيْکَ تَوَکَّلْتُ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِيْمِ ، مَا شَاءَ اللّٰهُ کَانَ وَ مَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَکُنْ ، أَعْلَمُ أَنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ، وَأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْماً ، أَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ

(۱) سنن کبری للنسائی: ۶/۶، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی: ۱/۱۴۰، کنز العمال: ۳۴۹۳

نَفۡسِیۡ وَمِنۡ دَابَّةٍ أَنۡتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّيۡ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ .﴾

(اے اللہ! آپ ہی میرے رب ہیں، آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ ہی پر میں توکل کرتا ہوں، اور آپ ہی عرش عظیم کے رب ہیں، جو اللہ چاہتے ہیں وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہیں وہ نہیں ہوسکتا، میں جانتا ہوں کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہے اور یہ کہ اللہ ہر چیز کو اپنے علم سے احاطہ کئے ہوئے ہیں، اے اللہ! میں میرے نفس کے شر سے اور ہر مخلوق جس کی پیشانی آپ کے قبضہ میں ہے اس کے شر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں۔)(۱)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پاکیزہ کلمات کی برکت سے کس طرح حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے مکان کی حفاظت فرمائی، پہلے تو آگ بھڑک اُٹھی، اور پھیلتے ہوئے آگے تک چلی گئی حتی کہ لوگ پریشان ہوکر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے مکان کے متعلق بھی خدشہ کرنے لگے اور ان کو ان کے مکان کے بارے میں خطرے سے آگاہ کیا، مگر لوگوں نے یہ حیرت انگیز واقعہ اور قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھا کہ وہ آگ جب حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے مکان تک پہنچی تو اچانک بجھ گئی۔ کیا یہ حیرت انگیز واقعہ نہیں ہے، اور ان کلمات کی برکت کا اثر نہیں ہے؟

ظالم بادشاہ وسیاسی لیڈروں کا خوف ہوتو

حکومت اور اس کے کارندوں اور سیاسی لیڈروں کی جانب سے ظلم وزیادتیاں

(۱) تاریخ دمشق لابن عساکر: ۴/۳۷ ومختصر تاریخ دمشق: ۱/۳۶۸۸، التدوین فی اخبار قزوین: ۴/۵۳، کنز العمال : حدیث: ۴۹۶۰

پیش آتی رہتی ہیں اور اس کی وجہ سے لوگ پریشان ہوتے ہیں، مگر افسوس یہ کہ افسوس تو کرتے ہیں اور اس پر تبصرے اور تبادلۂ خیالات تو کرتے ہیں مگر اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے، جب کہ اس سلسلہ میں بھی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اذکار و دعائیں سکھائی ہیں، چناں چہ ظالم بادشاہ یا اور کوئی ظالم پریشان کرے تو اس سے محفوظ رہنے کے لیے یہ دعاء حدیث میں تعلیم کی گئی ہے:

﴿ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ،سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ،لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاءُ کَ وَلَاإِلٰهَ غَيْرُکَ. ﴾(۱)

ایک حدیث میں آپ نے اس سلسلہ میں ایک اور دعاء سکھائی ہے، حضرت عمرو حضرت علی رضی اللہ عنہما سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم کو بادشاہ یا شیطان پریشان کرے تو یہ پڑھو:

﴿ يَا مَنْ يَّكْفِيْ كُلَّ أَحَدٍ، وَلاَ يَكْفِيْ مِنْهُ أَحَدٌ، يَا أَحَدَ مَنْ لَّا أَحَدَ لَهٗ، وَيَا سَنَدَ مَنْ لَّاسَنَدَ لَهٗ ، انْقَطَعَ الرَّجَاءُ إِلَّا مِنْکَ ، فَكُفَّنِيْ مِمَّا أَنَا فِيْهِ وَأَعِنِّيْ عَلٰى مَا أَنَا عَلَيْهِ مِمَّا قَدْ نَزَلَ بِيْ بِجَاهِ وَجْهِکَ الْكَرِيْمِ وَبِحَقِّ مُحَمَّدٍ عَلَيْکَ . آمین﴾

(اے وہ ذات جو سب کے لیے کافی ہے اور اس کے عوض کوئی کافی نہیں، اے بیکسوں کے ایک، اے بے سہاروں کے سہارے، سب سے امید ختم ہوگئی سوائے تیرے، پس تو میری کفایت کر اس (پریشانی) میں جس میں میں ہوں اور میری مدد کر نازل شدہ بلا میں، اپنی پاک ذات کے طفیل

(۱) مسند الفردوس:۱/۲۸۱، کنز العمال:۳۴۱۴

اور محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اس حق کے طفیل جو تجھ پر ہے، آمین)(۱)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تو کسی بادشاہ کے پاس جائے اور تجھے خوف ہو کہ وہ تجھ پر ظلم کرے گا تو تین بار یہ پڑھ لینا:

﴿ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ،اللّٰهُ أَعَزُّ مِنْ خَلْقِهٖ جَمِيْعاً، اللّٰهُ أَعَزُّ مِمَّا أَخَافُ وَأَحْذَرُ، أَعُوْذُ بِـاللّٰهِ الَّذِيْ لَاإِلٰـهَ إِلَّا هُوَ الْمُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ أَنْ يَقَعْنَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّابِـإِذْنِـهٖ مِنْ شَرِّ عَبْدِهٖ فُلَانٍ (یہاں دشمن وظالم کا نام لے یا اس کا تصور کرے) وَجُنُوْدِهٖ وَأَتْبَاعِهٖ وَأَشْيَاعِهٖ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ. اَللّٰهُمَّ كُنْ لِّيْ جَارًا مِنْ شَرِّهِمْ، جَلَّ ثَنَاءُكَ وَعَزَّ جَارُكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَلَاإِلٰـهَ غَيْرُكَ .﴾

(اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ اپنی تمام مخلوق سے زیادہ زبردست ہے، اللہ ان سب چیزوں سے زیادہ زبردست ہے جن سے میں خوف کھاتا اور ڈرتا ہوں، میں اللہ سے پناہ چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو ساتوں آسمانوں کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے فلاں بندے کے شر سے اور انسانوں اور جنات میں سے اس کے جتھے اور ماتحتوں اور چاہنے والوں کے شر سے، اے اللہ! تو ان کے شر سے میرا نگہبان بن جا، تیری تعریف بڑی ہے اور تیرا پناہ دیا ہوا محفوظ ہے اور تیرا نام بابرکت ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔)(۲)

---

(۱) مسندالفردوس: ۱/۳۲۴، کنز العمال: ۳۴۲۵

(۲) ابن ابی شیبہ: ۶/۲۳، الادب المفرد: ۱/۲۴۸، معجم کبیر: ۱۰/۲۵۸، حلیۃ الاولیاء: ۱/۳۲۲، کنز العمال: ۵۰۰۶

حضرت انس کا حجاج بن یوسف کے ساتھ واقعہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ایک موقعہ پر حجاج بن یوسف جو ایک ظالم بادشاہ تھا، اس کے پاس گئے، تو اس نے ان کو بہت سے گھوڑے دکھائے اور گستاخانہ کہا کہ کیا تمہارے صاحب (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس تم نے اس جیسا دیکھا ہے؟ حضرت انس نے کہا کہ میں نے آپ کے پاس اس سے عمدہ چیز دیکھی ہے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ کہ آدمی اس کو اللہ کے راستہ کے لیے پالتا ہے، اس قسم کے گھوڑے کے بال، اس کا پیشاب اس کا خون اور گوشت سب قیامت کے دن اس آدمی کے ترازو میں رکھا جائے گا، دوسرا یہ کہ آدمی محض اپنے پیٹ کے لیے گھوڑا پالتا ہے اور تیسرے یہ کہ وہ ریاء وشہرت کے لیے پالتا ہے، پھر حجاج سے کہا کہ تیرے یہ گھوڑے اسی ریاء وشہرت کے لیے ہیں۔

اس پر حجاج نہایت غضبناک ہوا اور کہنے لگا کہ اگر تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت نہ کی ہوتی تو میں تم کو ایسا اور ایسا کر دیتا (یعنی مارتا یا قتل ہی کر دیتا)، حضرت انس نے فرمایا کہ " كَلَّا، لَقَدِ احْتَرَزْتُ مِنْكَ بِكَلِمَاتٍ لَا أَخَافُ مِنْ سُلْطَانٍ سَطْوَتَهُ وَلَا مِنْ شَيْطَانٍ عُتُوَّتَهُ " (تو ہرگز کچھ نہیں کر سکتا، کیونکہ میں چند کلمات کے ذریعہ تیرے شر سے محفوظ ہو چکا ہوں، میں نہ کسی سلطان کی طاقت سے ڈرتا ہوں اور نہ کسی شیطان کی سرکشی سے) یہ سن کے وہ ذرا ٹھنڈا ہوا، اور کہنے لگا کہ اے ابوحمزہ! ہمیں بھی وہ کلمات سکھا دو، آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں تجھے اس کا اہل نہیں دیکھتا، پھر ایک زمانے کے بعد جب حضرت انس رضی اللہ عنہ مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو ان کے خادم حضرت ابان نے عرض کیا کہ حضرت! آپ

سے ایک بات معلوم کرنا چاہتا ہوں، فرمایا کہ جو چاہو پوچھو، کہا کہ وہ کیا کلمات ہیں جن کا حجاج نے آپ سے مطالبہ کیا تھا؟ فرمایا کہ ہاں میں تم کو اس کا اہل دیکھتا ہوں، میں نے اللہ کے رسولؐ کی دس برس خدمت کی اور آپ میرے سے راضی ہو کر دنیا سے گئے، اور تم نے بھی میری دس سال خدمت کی ہے اور میں دنیا سے جار ہا ہوں جب کہ میں تم سے راضی ہوں، جب تم صبح کرو یا شام کرو تو یہ پڑھ لیا کرو:

﴿ اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَدِيْنِيْ ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى أَهْلِيْ وَمَالِيْ ، بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ أَعْطَانِيْ رَبِّيْ ، بِسْمِ اللّٰهِ خَيْرِ الْأَسْمَاءِ ، بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْأَرْضِ وَالسَّمَاءِ ، بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَايَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ دَاءٌ، بِسْمِ اللّٰهِ افْتَتَحْتُ وَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ، لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ ،اَللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ،لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ، تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَرَبُّ الْأَرْضِيْنَ وَمَا بَيْنَهُمَا ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ، عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاءُكَ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُكَ ، اِجْعَلْنِيْ فِيْ جِوَارِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ وَّمِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ، إِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ . ﴾ (۱)

---

(۱) کنز العمال:۵۰۲۱،التدوین فی اخبار قزوین: ۱۲۴/۱

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ذکر اور اس کی تسبیح میں بڑی طاقت ہے اور اللہ اس کی برکت سے ظالم کے ظلم سے حفاظت فرماتے ہیں، اگر چہ وہ بادشاہ و امیر ہی کیوں نہ ہو، وہ اس کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے۔ کیا ہم کو اللہ سے اس قسم کے تعلق کی ضرورت اپنے دشمنوں اور ظالم بادشاہوں اور سیاسی لیڈروں کے مظالم سے بچنے کے لیے نہیں ہے؟

ایک اور عبرت خیز واقعہ

ایسے واقعات صحابہ کے ساتھ خاص نہیں، بل کہ جب بھی کسی نے اللہ پر اعتماد و توکل کرتے ہوئے اللہ کے نام اور کلام اور حدیث کی دعاؤں کے ذریعہ اللہ سے مدد چاہی تو ضرور اللہ نے اس کی مدد کی ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ نے آپ بیتی میں تقسیم ہند کے وقت کی سازشوں اور فتنوں اور قتل و غارت گریوں کے تذکرہ میں اپنے ایک متعلق الحاج بابو ایاز صاحب رحمہ اللہ کا ایک حیرت انگیز واقعہ اسی قسم کا لکھا ہے، وہ یہ کہ اس دور میں ان فتنوں کی وجہ سے دہلی سے نظام الدین کو آنا جانا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا، راشن بھی بازار جا کر لانا سخت خطرناک و مصیبت عظمیٰ تھا، سارے راستے مخدوش و مسدود تھے، راشن سبزی منڈی میں ملتا تھا جہاں سکھ ہی سکھ تھے، کسی کی ہمت وہاں جانے کی نہیں ہوتی تھی، مگر الحاج بابو ایاز صاحب رحمہ اللہ اسی حال میں وہاں سے راشن لایا کرتے تھے، ان کے اس طرح جانے سے لوگ حیرت کرتے تھے، ایک دفعہ وہ سبزی منڈی سے راشن لے کر نظام الدین آرہے تھے، وہاں سے ایک تانگہ لیا، اس میں ایک بابو جی اور تین سکھ سوار تھے، دلی سے باہر نکل کر ان سکھوں نے یہ کہا کہ تو ہمارے بیچ میں کیسے بیٹھ گیا اور اگر ہم تجھ کو ختم کر دیں تو پھر کیا ہو؟ انہوں نے نہایت جوش اور جرأت و بے باکی سے کہا

کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں مار سکتے ، اور ہمت ہو تو مار کر دکھلاؤ۔ وہ بھی سوچ میں پڑ گئے ، آپس میں کچھ اشارے کنائے بھی ہوئے اور آستینیں سونت کر کہنے لگے کہ ہم کیوں نہیں مار سکتے ؟ انہوں نے اس سے زیادہ جوش سے کہا کہ میرے پاس ایک چیز ہے تم میرے مارنے پر قادر ہی نہیں ہو سکتے ، وہ اللہ کے فضل سے کچھ ایسے مرعوب ہوئے کہ نظام الدین تک سوچتے ہی رہے ، اور اشارے بھی کرتے رہے ۔ ان سے اُترتے وقت پوچھا کہ تم وہ چیز بتلادو کیا ہے؟ بابو جی نے کہا کہ وہ چیز بتلانے کی نہیں ہے اور باقی تم دیکھ چکے ہو کہ تم لوگ باوجود ارادے کے مجھے مار نہ سکے ۔ حضرت شیخ الحدیث رَحِمَہُ اللّٰہُ فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا بات تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ ہی نے مجھے ایک دعاء بتلائی ہے، اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَجْعَلُکَ فِيْ نُحُوْرِهِمْ وَ نَعُوْذُ بِکَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ ، میں یہ پڑھتا تھا۔ (۱)

جادو کا علاج اور کعب احبار کا ارشاد

ہماری پریشانیوں میں سے ایک پریشانی یہ ہے کہ دشمنوں کی جانب سے جادو منتر کا ڈر لگا ہوا ہے، اس کا علاج بھی قرآن کی آیات اور حدیث کی دعاؤں سے کیا جا سکتا ہے، مگر لوگ اس سلسلہ میں بھی کفریہ وشرکیہ کاموں سے بھی گریز نہیں کرتے اور ان کے ذریعہ اللہ کو ناراض کرتے ہیں ، بھلا اللہ کی ناراضی کے ساتھ کونسا علاج کامیاب ہوسکتا ہے؟ علاج تو اللہ ہی کے قبضہ میں ہے، نہ کہ مخلوق کے، لہذا اس میں بھی اس کا دھیان ہونا چاہئے کہ ہمارا کوئی کام بھی اللہ ورسول کے خلاف نہ جائے۔

حضرت کعب احبار جو پہلے یہود کے بڑے علماء میں سے تھے ، پھر اسلام میں داخل ہو گئے تھے، انہوں نے بیان کیا کہ اگر میں یہ چند کلمات نہ پڑھا کرتا تو یہود

(۱) آپ بیتی: ۱/۵۴۰

جادو سے مجھے گدھا بنا دیتے اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ مجھے رینگنے والے گدھوں میں بہت چیخنے والا گدھا اور بھونکنے والے کتوں میں سے زیادہ بھونکنے والا کتا بنا دیتے۔اور ایک روایت میں ہے کہ مجھے جب آپ سے پوچھا گیا کہ وہ کیا کلمات ہیں تو فرمایا کہ:

﴿ أَعُوْذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ لَيْسَ شَيْءٌ أَعْظَمَ مِنْهُ وَ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لاَ يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّ لاَ فَاجِرٌ، وَبِأَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰى كُلِّهَا مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَ مَا لَمْ أَعْلَمْ مِّنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَبَرَأَ وَذَرَأَ . ﴾

(میں اللہ کی ذات سے پناہ پکڑتا ہوں جو عظمت والی ہے،اس سے زیادہ عظمت والی کوئی چیز نہیں،اور میں اللہ کے کلمات تامات کے ذریعہ پناہ پکڑتا ہوں جن سے آگے کوئی نیک و بد نہیں جا سکتا،اور میں پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے ان تمام بہترین ناموں کے ذریعہ جن کو میں جانتا ہوں اور ان سے بھی جن کو میں نہیں جانتا،ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا، وجود دیا اور پھیلایا) (۱)

شیاطین و جنات سے حفاظت

ہماری پریشانیوں میں سے ایک پریشانی یہ ہے کہ اللہ کی دوسری مخلوقات میں سے جنات وشیاطین کی جانب سے انسان کو پریشان کیا جاتا ہے،اور اس سلسلہ میں بھی اللہ کی مدد کی سخت ترین ضرورت ہوتی ہے،مگر لوگ اس کو چھوڑ کر خواہ مخواہ کی باتوں میں مبتلا ہوتے اور بعض اوقات اپنا ایمان کھو بیٹھتے ہیں،بعض لوگ عاملوں کے

---

(۱) مؤطا مالک:حدیث:۱۴۹۹،واللفظ له ، ابن ابی شیبه : ۶/۷۷،جامع معمر:۱۱/۳۶، کتاب الدعاء:۱/۳۶

چکر میں اور بعض ان سے بھی آگے سادھووں اور پجاریوں کے چکر میں ملوث ہوجاتے ہیں اور بے ایمانی کی باتیں اور کفریہ وشرکیہ افعال واعمال کرتے ہیں، کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ لوگ اللہ سے اپنا تعلق مضبوط کرتے اور اس کے لیے دعاؤں کی تاثیرات سے فائدہ اُٹھاتے۔

لہٰذا جنات وشیاطین کا خوف ہو یا کسی کو وہ پریشان کرتے ہوں تو ان سے حفاظت کے لیے بھی اوراد اورادعیہ کا اہتمام والتزام کرنا بہت ہی نفع بخش ہے، بالخصوص آیۃ الکرسی اور سورۃ البقرہ کا پڑھنا اس کے لیے اکسیر اعظم ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

« إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ (و في رواية) يَفِرُّ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِيْ تُقْرَأُ فِيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ .»

(شیطان اس گھر سے نفرت کرتا ہے جس میں سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ پڑھی جاتی ہے،ایک روایت میں ہے کہ شیطان اس گھر سے بھاگ جاتا ہے۔)(۱)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

" إِنَّ الْبَيْتَ الَّذِيْ تُقْرَأُ فِيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ لَا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ"(وفي رواية عند ابن عدي في الكامل)" إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَخْرُجُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِيْ تُقْرَأُ فِيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ "

(جس گھر میں سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ پڑھی جاتی ہے اس میں شیطان داخل نہیں ہوتا، اور ابن عدی کی ''کامل'' میں ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ شیطان اس گھر سے نکل جاتا ہے جس میں سورۂ بقرہ پڑھی جاتی ہے)(۲)

---

(۱) مسلم:۱۳۰۰، احمد:۷۴۸۷، عمل الیوم واللیلة للنسائی: ۱/۵۳۵

(۲) ترمذی:۲۸۰۲، احمد:۸۵۶۰، الکامل لابن عدی:۶/۲۰۶

آیۃ الکرسی کا کرشمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زکاۃ کے مال پر نگران مقرر فرمایا، ایک شخص آیا اور مٹھی بھر کر جانے لگا، انہوں نے اس کو پکڑ لیا، تو عذر کیا کہ میں محتاج ہوں، میرے ذمہ اہل وعیال ہیں، اور میں سخت حاجت مند ہوں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کو چھوڑ دیا، صبح ہوئی تو اللہ کے نبی نے ان سے پوچھا کہ وہ تمہارا قیدی کیا ہوا، انہوں نے کہا کہ اس نے حاجت بتائی تو میں نے اس کو چھوڑ دیا، آپ نے فرمایا کہ وہ دوبارہ آئے گا، چنانچہ وہ دوسری رات بھی آیا اور مٹھی بھر کر جانے لگا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پھر اس کو پکڑ لیا، اس نے پھر وہی اپنی حاجت وضرورت کا اظہار کیا تو انہوں نے چھوڑ دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح پھر پوچھا، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے وہی جواب دیا، آپ نے پھر فرمایا کہ وہ پھر آئے گا، اور اسی طرح پھر تیسری رات بھی وہ آیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اب اس کو پکڑ لیا اور فرمایا کہ میں تجھے نہیں چھوڑوں گا، تو بار بار وعدہ کرتا ہے کہ نہیں آؤں گا مگر پھر وہی حرکت کرتا ہے، میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کروں گا، اس پر اس نے کہا کہ اگر تم مجھے چھوڑ دو تو میں تم کو کچھ کلمات سکھاتا ہوں جو تم کو نفع دیں گے، حضرت ابو ہریرہ نے پوچھا کہ وہ کیا ہیں؟ تو کہا کہ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو آیۃ الکرسی پڑھ لو، تمہارے لیے اللہ کی جانب سے ایک محافظ مقرر ہو جاتا ہے اور صبح ہونے تک شیطان تمہارے قریب نہیں آسکتا، حضرت ابو ہریرہ نے اس کو چھوڑ دیا اور جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قصہ سنایا، آپ نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا اگر چہ کہ وہ جھوٹا

ہے، کیا جانتے ہو کہ وہ کون تھا؟ حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ نہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ شیطان تھا۔ (۱)

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت ابوایوب انصاری کو بھی پیش آیا کہ ان کے گھر میں ایک طاقچہ تھا جس میں چھوارے رکھے جاتے تھے، پس جن آتا اور اس میں سے اُٹھا لے جاتا، انہوں نے اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ جب تم اس کو دیکھو تو یوں کہنا کہ " بسم الله أجيبي رسول الله، چنانچہ انہوں نے اس کو پکڑا اور قسم لی کہ آئندہ نہیں آئے گا اور اسی طرح تین مرتبہ ہوتا رہا کہ وعدہ کرتا پھر بھی آتا، تیسری دفعہ کہا کہ میں تم کو ایک بات بتاتا ہوں کہ آیۃ الکرسی گھر میں پڑھ لو تو شیطان تمہارے قریب بھی نہ آئے گا، حضرت ابوایوب نے جب اللہ کے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو سنایا تو فرمایا کہ اس نے صحیح بات کہی، اگرچہ وہ جھوٹا ہے۔ (۲)

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر شیاطین کے حملہ کا واقعہ

حدیث میں خود نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا ایک واقعہ آیا ہے، حضرت ابوالتیاح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد الرحمٰن بن حبیش رضی اللہ عنہ سے جو کہ بہت بوڑھے تھے، پوچھا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، میں نے کہا کہ جس رات رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو شیاطین نے پکڑ لیا تھا تو آپ نے کیا کیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ شیاطین وادیوں سے اللہ کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی طرف آئے، اور آپ پر پہاڑ کو ڈھکیل دیا، اور ایک شیطان کے ساتھ آگ کا ایک شعلہ تھا اس نے آپ کو جلانے کا ارادہ کیا، آپ

(۱) بخاري:۱/۱۳۰

(۲) ترمذي:۲۸۰۵، احمد:۲۲۴۸۸

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ڈر گئے اور پیچھے کی طرف ہٹ گئے۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ اے محمد! پڑھئے، آپ نے کہا کہ کیا پڑھوں؟ کہا کہ یہ پڑھئے، جب آپ نے یہ پڑھا تو شیاطین کی وہ آگ بجھ گئی اور اللہ نے ان کو ہزیمت دیدی، وہ دعا یہ ہے:

﴿أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِي لَايُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّ لَا فَاجِرٌ مِّنْ شَرِّ مَاخَلَقَ وَذَرَأَوَبَرَأَ ، وَمِنْ شَرِّمَايَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا، وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَأَ فِي الْأَرْضِ، وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا،وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ طَارِقٍ إِلَّاطَارِقاً يَّطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ﴾

(میں اللہ کے کلمات تامات کے ذریعہ جن سے کوئی نیک یا بد آگے نہیں جا سکتا پناہ پکڑتا ہوں، ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا، وجود دیا، اور پھیلایا ہے، اور اس چیز کے شر سے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے اور اس سے جو اس میں چڑھتی ہے اور اس سے جو زمین میں پھیلتی ہے اور اس سے جو اس سے نکلتی ہے، اور اس رات و دن کے فتنوں کے شر سے بھی اور ہر رات میں آنے والے کے شر سے بھی، سوائے اس کے جو خیر لے کر آئے، اے رحمٰن!)(۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی بعینہ اسی طرح کا قصہ مروی ہے۔(۲)

---

(۱) ابن ابی شیبہ:۵/۵۱، مسند احمد:۳/۴۱۹، کنز العمال:۵۰۱۸ الترغیب والترھیب: ۲/۳۰۳، اس حدیث کو امام منذری نے الترغیب میں ذکر کر کے فرمایا کہ امام احمد و امام ابویعلی کی سندیں جید ہیں

(۲) دیکھو: السنن الکبری للنسائی: ۶/۲۳۷، معجم اوسط للطبرانی: ۱/۱۸، عمل الیوم اللیلة للنسائی: ۱/۵۳۰

حضرت عروہ بن الزبیر کا ایک عجیب واقعہ

اس سلسلہ میں ایک عجیب واقعہ سنئے، حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ، حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا کے صاحبزادہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں، ان کا ایک عجیب وحیرت انگیز واقعہ کتابوں میں لکھا ہے، وہ یہ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ خلیفہ بننے سے پہلے کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک رات میں اپنی چھت پر سویا ہوا تھا کہ راستہ پر آوازیں محسوس کیا، اور جھانک کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ شیاطین جوق در جوق آرہے ہیں یہاں تک کہ میرے مکان کے پیچھے ایک کھنڈر میں جمع ہوگئے پھر ابلیس بھی آگیا اور اس نے چیخ کر کہا کہ " **من لی بعروۃ بن الزبیر؟**" (کون میرے پاس عروہ بن الزبیر کو لائے گا) ایک جماعت کھڑی ہوئی اور کہا کہ ہم لائیں گے، پس گئے اور واپس چلے آئے اور کہا کہ ہم ان پر قادر نہ ہو سکے ،ابلیس نے پھر چیخ کر کہا کہ" **من لی بعروۃ بن الزبیر؟**" (کون میرے پاس عروہ بن الزبیر کو لائے گا) تو ایک اور جماعت اُٹھی اور کہا کہ ہم لائیں گے، اور یہ جماعت بھی جا کر واپس آگئی، اور کہا کہ ہم ان پر قادر نہیں ہو سکے، اس پر وہ پھر بہت زور سے چیخا، حتی کہ میں یہ سمجھا کہ زمین شق ہوگئی، اور چیخ کر کہا کہ" **من لی بعروۃ بن الزبیر؟**" (کون میرے پاس عروہ بن الزبیر کو لائے گا) تو ایک تیسری جماعت اُٹھی اور کہا کہ ہم لائیں گے، اور یہ جماعت بھی جا کر بہت دیر میں واپس آگئی، اور کہا کہ ہم ان پر قادر نہیں ہو سکے، اس پر ابلیس غضبناک ہو کر چلا گیا اور شیاطین بھی اس کے پیچھے ہو گئے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ یہ واقعہ دیکھ کر حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور یہ سارا واقعہ سنایا تو انہوں نے کہا کہ میرے والد

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ جو بھی شخص صبح یا شام اس دعاء کو پڑھتا ہے اللہ اس کو ابلیس اور اس کے لشکر سے محفوظ رکھتے ہیں، وہ دعاء یہ ہے:

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ذِيْ الشَّأْنِ، عَظِيْمِ الْبُرْهَانِ، شَدِيْدِ السُّلْطَانِ، مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ ﴾

(اللہ کے نام سے جو شان والا ہے، بڑی دلیل والا ہے، زبردست سلطنت والا ہے، جو اللہ چاہے وہ ہوتا ہے، میں شیطان سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔)(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ابلیس اور اس کا پورا لشکر حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ پر اس دعاء کی برکت سے قادر نہ ہو سکا، جو انہیں اپنے والد کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی تھی۔

ضرورت کی چند مزید دعائیں

یہاں چند مزید دعائیں لکھتا ہوں، جو مختلف قسم کی پریشانیوں میں کام آتی ہیں:

(۱) اگر کسی آدمی کی طرف سے خوف ہو تو یہ دعاء پڑھ لیا کرے:

﴿ اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوَاتِ السَّبْعِ ، وَمَا فِيْهِنَّ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ، وَرَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَإِسْرَافِيْلَ، كُنْ لِّيْ جَاراً مِّنْ فلان (یہاں دشمن کا نام لے یا تصور کرے) وَأَشْيَاعِهٖ أَنْ يَفْرُطُوْا عَلَيَّ أَوْ أَنْ يَطْغَوْا عَلَيَّ أَبَداً ، عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ

(۱) تاریخ ابن عساکر: ۴۰/ ۲۶۷، مختصر تاریخ دمشق: ۱/ ۲۲۷۶، کنز العمال: ۲/ ۲۸۱ حدیث: ۵۰۱۷

ثَنَاءُ کَ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِکَ.﴾

(اے اللہ، اے ساتوں آسمانوں کے اور ان کے درمیان کی چیزوں کے رب، اور اے عرش عظیم کے پروردگار اور جبرئیل و میکائیل و اسرافیل کے پروردگار! تو میرا نگہبان ہو جا فلاں (دشمن) سے اور اس کے ساتھیوں سے کہ کبھی بھی وہ مجھ پر ظلم کریں یا مجھ پر حد سے بڑھیں، تیرا پناہ دیا ہوا محفوظ ہے، اور تیری تعریف بڑی ہے، اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں، اور تیری توفیق کے بغیر نہ کسی میں قوت ہے نہ طاقت۔)(۱)

(۲) نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ جس کو کوئی غم اور پریشانی پیش آئے اور وہ اس دعاء کو پڑھے تو اللہ اس کا سارا غم دور کر دیتے ہیں اور اس کے عوض خوشی عطاء فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ عَبْدُکَ وَابْنُ عَبْدِکَ وَابْنُ أَمَتِکَ ، نَاصِيَتِيْ بِيَدِکَ ، مَاضٍ فِيَّ حُکْمُکَ ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاءُ کَ ، أَسْئَلُکَ بِکُلِّ اسْمٍ هُوَ لَکَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَکَ ، أَوْ أَنْزَلْتَهٗ فِيْ کِتَابِکَ ، أَوْ عَلَّمْتَهٗ أَحَداً مِّنْ خَلْقِکَ ، أَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَکَ أَنْ تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ بَصَرِيْ وَجَلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ .﴾

(یا اللہ! میں تیرا غلام ہوں، اور تیرے غلام کا بیٹا ہوں اور تیری باندی کا بیٹا ہوں، ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں، تیرا حکم میرے بارے میں نافذ

(۱) کنز العمال: ۳۴۲۶، وبعضه عند ابن ابی شیبة فی مصنفه : ۲۲/۶، وعند الضبی فی کتاب الدعاء : ۱/ ۲۰۸، و۲۱۰

ہے، تیرا فیصلہ میرے بارے میں عین انصاف ہے، میں تجھ سے تیرے نام کے حق سے جس سے تو نے اپنے کو موسوم کیا ہے، یا اس کو اپنی کتاب میں اُتارا ہے، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا ہے، یا اپنے علم غیب ہی میں اس کو رہنے دیا ہے، میں یہ مانگتا ہوں کہ تو قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار اور میری آنکھ کا نور، اور میرے غم کی کشائش اور میرے فکر کا دفعیہ بنا دے۔)(۱)

(۳) اچانک مصیبت سے بچاؤ کے لیے یہ دعاء تعلیم فرمائی گئی ہے، نیز فرمایا گیا کہ جو اس کو صبح وشام پڑھ لیتا ہے اس کو کوئی چیز نقصان وتکلیف نہیں دے سکتی:

﴿ بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِيْ لَایَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَيْءٌ فِيْ الْأَرْضِ وَلَا فِيْ السَّمَاءِ وَھُوَا لسَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ . ﴾

(اللہ کے نام سے جس کے نام کے ساتھ کوئی چیز نہ زمین میں نقصان وتکلیف پہنچا سکتی ہے اور نہ آسمان میں، اور وہ بہت سننے والا بہت جاننے والا ہے۔)(۲)

(۴) زہریلے جانوروں اور تکلیف دہ چیزوں سے حفاظت کے لیے تین مرتبہ یہ دعاء پڑھ لیا کرے:

﴿ أَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَاخَلَقَ ﴾

(میں اللہ کے مکمل کلمات کے ذریعہ تمام مخلوق کے شر سے پناہ

---

(۱) صحیح ابن حبان: ۳/۲۵۳، موارد الظمآن: ۱/۵۸۹، ابن ابی شیبہ: ۶/۴۰، مسند بزار: ۵/۳۶۳، مسند احمد: ۱/۳۹۱، کنز العمال: ۴/۳۴۳۴

(۱) احمد: ۱/۶۲،۶۶، سنن کبری للنسائي: ۶/۹۴، عمل الیوم واللیلة للنسائی: ۱/۲۹۱، بخاري في الأدب المفرد: ۱/۲۳۰، ابن حبان: ۳/۱۳۲، حاکم: ۱/۶۹۵: ایضاً: ۶ ۳۴۸ و ۳۴۹۵

لیتا ہوں)(۱)

(۵)ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی کہ مجھے جان و مال واہل وعیال پر خوف محسوس ہوتا ہے تو آپ نے یہ دعاء تلقین فرمائی کہ صبح وشام یہ پڑھا کرو:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ عَلٰى دِيْنِيْ وَنَفْسِيْ وَوَلَدِيْ وَأَهْلِيْ.﴾

(اللہ کے نام سے میں میرے دین اور ذات اور اولاد اور اہل کے لیے مدد لیتا ہوں۔)(۲)

آخری بات

آخری بات جو تمام باتوں کا خلاصہ اور لب لباب ہے یہ کہ ہماری تباہی وہلاکت، ذلت وپستی، ناکامی تنزلی اور ادبار وانحطاط کا سبب ہماری ایمانی کمزوری، خدا پر عدم توکل واعتماد، سنت وسیرت سے بیزاری، تعلق مع اللہ کی کمی، نمازوں میں غفلت، زکوۃ کی ادائیگی میں کوتاہی، فحاشی وعریانی اور بے حیائی، عیش پرستی ولذت اندوزی، آخرت سے غفلت وغیرہ چیزیں ہیں۔اس لیے اگر یہ سوال کیا جائے کہ ہمیں عزت وسربلندی کب نصیب ہوگی، ہماری مدد ونصرت کے فیصلے کب ہوں گے، ناکامی وتنزلی کب ختم ہوگی، ادبار وانحطاط سے خلاصی کب ہوگی، اس ذلت ونکبت سے ہم عروج واقبال کی طرف کب آئیں گے۔تو اس کا جواب صرف اور صرف یہی ہے اور ہونا چاہئے:

(۱) احمد:۲/۲۹۰،سنن کبری للنسائی:۶/۱۰۴،مؤطا مالک:۲/۹۵۱،ابن حبان:۳/۲۹۷ حاکم:۴/۴۶۱، کنز العمال:۳۵۰۸

(۲) تاریخ ابن عساکر:۵۴/۳۹۶، کنز العمال:۴۹۵۸

فضائے بدر پیدا کر، فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے، قطار اندر قطار اب بھی

بس اب ہم کو چاہئے کہ کسی چیز کا انتظار کئے بغیر بدر کی فضا پیدا کرنے لگ جائیں، جہاں اللہ کی حمد وثنا، تحمید وتقدیس کے ترانے، سنت وسیرت سے وابستگی، الحاح وزاری، خشوع وخضوع، دنیا سے بیزاری، آخرت کی فکر، جنت کی طلب، عیش پرستی سے دوری، جہاد فی سبیل اللہ کی لگن اور............خلاصہ یہ کہ............شریعت کی پاسداری جیسی عظیم صفات تھیں۔ اللہ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق دے......آمین۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان مفتاحی

مہتمم الجامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور

۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۱ھ

مکتبہ مسیح الامت

حضرت

ابراہیم علیہ السلام کی قربانی

حقائق و اسرار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

حامداومصلیا: اما بعد زیرِ نظر مضمون ''حضرت ابراہیم کی قربانی: حقائق واسرار'' کئی سال پیشتر لکھا گیا تھا، جو بعض اخبارات میں اسی وقت شائع بھی ہو گیا تھا، اب بعض احباب کی خواہش پر اس کو کتابی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے۔ اس میں حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کا وہ عجیب و غریب واقعہ پیش کیا گیا ہے، جو قربانی کی اصل ہے اور اس میں اصل واقعے کے ساتھ ساتھ اس کے اسرار اور اس سے حاصل ہونے والی عبرتیں و نصائح کی طرف بھی نشان دہی کی گئی ہے۔ اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

(مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

۴ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

۱۴/ اگست/ ۲۰۰۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی - حقائق واسرار

عیدالاضحیٰ کے مبارک ومقدس موقع پر اللہ تعالیٰ کی تقدس مآب بارگاہ میں اہل اسلام اپنی اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں اور اللہ کی جناب میں تقرب پانے اور اس کی رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ مقدس ومبارک عمل دراصل ایک عجیب وغریب واقعے کی یادگار اور اس کی نقل ہے، جس کی نظیر پیش کرنے سے تمام اگلے اور پچھلے لوگ عاجز وقاصر ہیں، اس واقعے کا تعلق دو مقدس ومحترم شخصیتوں سے ہے، ایک حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور دوسرے حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی شخصیت سے کون ناواقف ہوگا؟ آپ اللہ کے وہ برگزیدہ نبی ہیں کہ جنھوں نے اللہ کی محبت میں ایسے مصائب جھیلے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خُلت کا بلند ترین مقام عطا فرمایا اور قرآن پاک میں جگہ جگہ آپ کی تعریف فرمائی اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ملتِ ابراہیمی کا اتباع کریں اور آپ کو ساری دنیائے انسانیت کا امام بنایا گیا، آپ ہی ہیں جنھوں نے اللہ کے حکم سے کعبۃ اللہ کی تعمیر فرمائی اور حج کا اعلان کیا اور حج جیسی مقدس عبادت کی تعلیم دی، وہ آپ ہی کی ذاتِ کریمہ ہے، جس نے کفر وشرک

کے ماحول میں جنم لینے اور آنکھ کھولنے کے باوجود؛ کفر وشرک کی آلودگیوں سے نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو بچایا؛ بل کہ بہت سے لوگوں کو اس سے محفوظ رکھا اور نعرۂ توحید بلند کرتے ہوئے پورے ماحول و معاشرے کو چیلنج کر دیا اور جب اس راہ میں مصائب و پریشانیاں لاحق ہوئیں تو پورے صبر وتحمل کے ساتھ اللہ کی خاطر ان کو برداشت کیا، آپ کو آگ میں ڈالا گیا، جلاوطن کیا گیا، ایذائیں و تکلیفیں پہنچائی گئیں اور یہ سب کچھ آپ نے اللہ کے لیے بہ شوق و رغبت برداشت کیا اور اللہ کی محبت کا ثبوت دیتے رہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت

جب آپ نے اپنے وطن (عراق) سے ملک شام کی طرف ہجرت فرمائی، تو آپ کے ساتھ حضرت سارہ علیہا السلام آپ کی زوجۂ محترمہ اور حضرت لوط علیہ السلام آپ کے بھتیجے بھی تھے، درمیانی منزل مصر میں قیام فرمایا، تو وہاں کے بادشاہ نے حضرت سارہ علیہا السلام پر بدنیتی سے دست درازی کی اور اللہ تعالیٰ نے اسی وقت اس کے ہاتھ شل کر دیئے اور اس طرح تین مرتبہ ہوا، حضرت سارہ کی یہ کرامت دیکھ کر بادشاہ متاثر و مرعوب ہوا اور ''ہاجرہ'' نامی ایک باندی (جو اصل میں ایک قبطی النسل شہزادی تھی) حضرت سارہ کی خدمت کے لیے بہ طور ہدیہ پیش کی اور حضرت سارہ نے وہ باندی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ فرمادی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو اپنے نکاح میں لے لیا، پھر ملکِ شام میں جا کر سکونت اختیار فرمائی؛ مگر ایک طویل مدت تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی؛ یہاں تک کہ آپ کی عمر تقریباً چھیاسی برس کی ہوگئی، تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے اولاد کے لیے دعا فرمائی:

﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ (الصافات:۹۹)

(اے میرے پروردگار! مجھے صالحین میں سے ایک صالح اولاد عطا فرما!)
اور اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی اور آپ کو ایک حلم والے لڑکے کی بشارت دی۔ چناں چہ فرمایا:

﴿ فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ ﴾ (الصّافات:۱۰۱)
(پس ہم نے ان کو ایک حلیم لڑکے کی بشارت دی۔)

یہ دعا جب آپ نے فرمائی، تو آپ کی عمر ایک روایت کے مطابق چھیاسی برس اور ایک روایت کے مطابق پچاسی برس تھی۔(۱)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نذر ومنّت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اللہ سے اولاد کے لیے دعا کی تو یہ نذر ومنت بھی کی، کہ اگر مجھے لڑکا ہوگا تو اس کو اللہ کے لیے قربان کردوں گا؛ مگر جب لڑکا پیدا ہوا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی نذر یاد نہ رہی اور وہ اس کی تکمیل نہ کرسکے، جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں آیا ہے۔(۲)

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول ہوئی اور آپ کے گھر حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے بطن سے ایک حسین وجمیل بچہ تولد ہوا تو اس کا نام اسماعیل رکھا گیا--- یہ لفظ عبرانی زبان کا ہے اور اس کے معنی ہیں ''سمیع اللہ'' عبرانی میں اسماع یا اشماع کے معنی سمیع اور ایل کے معنی ''اللہ'' کے ہوتے ہیں، چوں کہ حضرت اسماعیل اللہ تعالیٰ سے دعا کے نتیجے میں پیدا ہوئے، اس لیے آپ کا نام اسماعیل رکھا گیا---- اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض مصلحتوں اور حکمتوں کی وجہ

---

(۱) بدائع الزهور:۸۸
(۲) بدائع الزهور:۸۸

سے آپ کو حکم دیا، کہ اپنی زوجہ حضرت ہاجرہ اور لختِ جگر اسماعیل دونوں کو مکہ کی بے آب وگیاہ وادی میں چھوڑ آئیں، آپ نے اس نازک موقعے پر بھی اللہ کی محبت میں اس حکم کی تعمیل کی اور حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام کی معیت میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو مکہ لے جاکر چھوڑ آئے اور آپ حسبِ سابق ملکِ شام میں قیام پذیر رہے۔

حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کا خواب

جب حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ساتھ مکہ مکرمہ کے بے آب وگیاہ میدان میں زندگی بسر کررہے تھے اور بڑھتے بڑھتے اس قابل ہوگئے کہ ہلکے پھلکے کام کرسکیں تو حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو ملک شام میں (جہاں آپ کی سکونت تھی) ایک خواب نظر آیا۔

وہ یہ کہ خواب میں کوئی کہنے والا کہہ رہا ہے کہ ابراہیم! اپنی نذر کو پورا کرو! دیکھو! اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرو! یہ خواب ذی الحجہ کی آٹھ تاریخ کو دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو سوچنے لگے کہ یہ کیا خواب ہے؟ اور یہ کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے یا شیطان کی طرف سے؟ اسی لیے آٹھ ذی الحجہ کو یوم الترویہ یعنی تفکر وتذبذب کا دن کہا جاتا ہے۔ پھر جب نویں ذی الحجہ کی رات ہوئی، تو پھر وہی خواب نظر آیا جب صبح ہوئی، تو آپ نے سمجھ لیا کہ یہ خواب اللہ کی طرف سے ہی ہے، اسی لیے نویں ذی الحجہ کو یوم عرفہ (جاننے اور پہچاننے کا دن) کہا جاتا ہے۔ پھر دس ذی الحجہ کی رات بھی اسی طرح کا خواب دیکھا اور دس ذی الحجہ کو ارادہ فرمایا کہ اس حکم خداوندی کے موافق اپنے لختِ جگر ونورِ نظر اسماعیل (عَلَیْہِ السَّلَام) کو اللہ کے لیے ذبح کرکے قربانی پیش کروں۔ اسی لیے دس ذی الحجہ کو ''یوم النحر'' (قربانی کا دن) کہا

جاتا ہے۔(۱)

نبی کا خواب وحی ہوتا ہے

خواب میں آپ کو قربانی کا حکم دیا گیا اور انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کا خواب بھی وحی الٰہی ہوتا ہے۔ محمد بن کعب رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ رسولوں پر اللہ کی طرف سے وحی بیداری و نیند دونوں حالتوں میں آتی تھی، کیوں کہ انبیا کے قلوب سوتے نہیں اور یہ بات مرفوع حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم معاشر انبیا وہ ہیں کہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں؛ مگر دل نہیں سوتے۔(۲)

غرض انبیا کرام علیہم الصلاۃ والسلام پر خواب میں بھی وحی آتی ہے؛ اس لیے ان کے خواب حجت شرعیہ ہیں اور اس پر عمل ان کے لیے ایسا ہی ضروری ہے، جیسے حالت بیداری میں آنے والی وحی پر عمل ضروری ہے؛ مگر عام انسانوں کے خواب حجتِ شرعیہ نہیں کیوں کہ ان کے خواب سچے بھی ہو سکتے ہیں اور جھوٹے بھی ہو سکتے ہیں؛ حتّٰی کہ حضراتِ اولیاء اللہ کے خواب بھی شریعت میں حجت کا درجہ نہیں رکھتے۔

خواب کی تعبیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں جب یہ دیکھا کہ آپ کو اپنے بچے کی قربانی پیش کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، تو اس کی تعبیر اولاً آپ نے یہ نکالی کہ اس سے مراد جانوروں کی قربانی پیش کرنا ہے۔ چناں چہ پہلی اور دوسری رات خواب دیکھنے کے بعد آپ نے کچھ اونٹ بھی اللہ کے نام پر قربان فرمائے؛ مگر جب تیسری رات بھی وہی خواب دیکھا، تو سمجھا کہ مراد یہ ہے کہ اپنے اکلوتے اور محبوب لڑکے کو ذبح کر دوں

(۱) الدر المنثور :۷/۱۱۱، عن ابن عباس، تفسیر القرطبي:۱۵/۱۰۲، روح المعاني :۲۳/۱۲۸
(۲) القرطبي : ۱۵/۱۰۲

کیوں کہ صرف جانور کی قربانی اس سے مراد ہوتی، تو تیسری رات پھر وہی حکم نہ دیا جاتا جو پہلی دوراتوں میں دیا گیا تھا۔

خواب میں حکم دینے کی حکمت

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو یہ حکم خواب میں کیوں دیا جب کہ بیداری میں بہ ذریعۂ وحی بھی یہ حکم دیا جا سکتا تھا، پھر صاف حکم مل جانے سے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو تعمیل حکم میں تذبذب و پریشانی بھی پیش نہ آتی ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم خواب کے ذریعے دینے میں یہ حکمت ہے کہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی کمال اطاعت اور اللہ تعالیٰ سے کمال محبت کا پوری طرح مظاہرہ ہو، کیوں کہ خواب میں تاویلات کی گنجائش ہوتی ہے اور انسانی نفس عام طور پر ان تاویلات کی آڑ میں تعمیل حکم سے جی چرانے کی کوشش کرتا ہے؛ لیکن حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام محض ایک خواب میں حکم پا کر تعمیل حکم خداوندی کے لیے تیار ہو گئے اور تاویلات کی ہر راہ کو ان کی اطاعت شعاری اور محبت خداوندی نے بند کر دیا اور وہ بلا چوں و چرا اللہ کے لیے اپنے اکلوتے کی قربانی پیش کرنے چل پڑے، اس سے ان کی اطاعت شعاری کا کمال اور محبت خداوندی میں رسوخ کا اندازہ ہوا، اس لیے بہ جائے بیداری کے خواب میں آپ کو حکم دیا گیا۔

دوسری حکمت اس میں یہ ہے کہ خواب میں حکم دینے سے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی کمال آزمائش مقصود ہے، اگر بیداری میں صاف حکم دیا جاتا، تو ایسی آزمائش نہ ہوتی ؛ کیوں کہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام صاف حکم پا کر تعمیل حکم کے لیے اقدام فرما ہی دیتے ؛ مگر جب ایک بات خواب میں دکھائی جا رہی ہے اور اس

میں تاویل کی بھی گنجائش ہے، پھر بھی اصل مقصود ومنشا خداوندی کو معلوم کرنا اور اس پر عمل کرنا دراصل ایک بہت ہی کٹھن مرحلہ اور سخت ترین آزمائش ہے اور اس کے باوجود بھی حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کا اس مرحلے میں کامیاب ہونا، ان کے مقام عزیمت کی کھلی دلیل اور ان کے بلندیٔ مقام وعظمت شان کی بین علامت ہے۔

خواب قولی تھا یا فعلی؟

یہاں ایک بحث یہ ہے کہ حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ نے جو خواب دیکھا تھا، وہ قولی تھا یا فعلی؟ اوپر ''روح المعانی'' و''تفسیر قرطبی'' کے حوالے سے خواب کی جو کیفیت مذکور ہوئی اس سے بہ ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں کسی (فرشتے) نے آپ کو یہ حکم دیا کہ اللہ کے نام پر اپنے بیٹے کو ذبح کر دو، اس سے معلوم ہوا کہ یہ خواب قولی تھا؛ مگر قرآن مجید میں حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کے جو الفاظ مذکور ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب فعلی تھا، یعنی آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں، چناں چہ آپ نے فرمایا کہ: ﴿يٰبُنَيَّ اِنِّيٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيٓ اَذْبَحُكَ﴾ (الصافات: ۱۰۲)

(اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں)

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خواب فعلی تھا؛ مگر دونوں باتوں میں تطبیق ممکن ہے، اس طور پر کہ اولاً آپ کو فرشتہ نے قول کے ذریعہ حکم دیا جیسا کہ روایات میں ہے پھر خواب ہی میں آپ نے اس کی تعمیل فرماتے ہوئے اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا عمل کیا، اس طرح دونوں باتیں صحیح ہو گئیں۔

غرض یہ کہ جب حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کو خواب کے ذریعہ حکمِ خداوندی ہوا کہ اپنے لختِ جگر و نورِ نظر حضرت اسماعیل عَلَيْهِ السَّلَامُ کو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح

کردو، تو آپ اس کی تعمیل و امتثال کے لیے بہ دل وجاں تیار ہو گئے اور کیوں نہ تیار ہوتے جب کہ آپ اللہ کے خلیل وحبیب تھے اور اللہ کی محبت میں ہمہ وقت سرشار وچور رہتے تھے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام سے مشورہ اوران کا جواب

مگر اس سے قبل کہ آپ اس کی تعمیل کے لیے کمربستہ ہوتے، آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے مشورہ فرمایا اور اس سلسلے میں ان کی رائے دریافت کی۔

قرآن مجید کہتا ہے:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیۤ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی﴾ (الصافات:۱۰۲)

(جب (اسماعیل) ایسی عمر کو پہنچے کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ چلنے پھرنے لگے تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ برخوردار! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، سو تم بھی دیکھ لو کہ تمھاری کیا رائے ہے؟)

اس پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جو جواب دیا، وہ واقعی شانِ نبوی کا مظہر اتم اور خانوادۂ نبوت کے پروردہ ہونے کی ایک بین وروشن علامت ہے، نیز آپ کے کمالِ ایمان وعقل کا واضح ثبوت بھی ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جواب کو قرآن نے نقل فرمایا ہے:

﴿قَالَ یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ، سَتَجِدُنِیۤ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ﴾

(اسماعیل نے کہا کہ ابّا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے آپ وہ کیجئے۔ ان شاء اللہ آپ مجھ کو صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔) (الصافات:۱۰۲)

چند اہم نکات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مشورے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس جواب میں چند اہم نکات ہیں، جن پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

(۱) پہلی بحث اور پہلا نکتہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس سلسلے میں مشورہ لینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی، جب کہ آپ جانتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک حکم ہے اور کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام اس کے خلاف رائے دیتے تو آپ اس حکم کی تعمیل نہ کرتے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے صاحب زادے سے مشورہ اس لیے نہیں تھا کہ نعوذ باللہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مشورہ پر عمل کیا جائے، خواہ وہ موافقت میں مشورہ دیں یا مخالفت میں دیں؛ بل کہ یہ مشورہ بہ طور امتحان تھا، کہ آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ایمانی جذبہ اور تعلق مع اللہ کا امتحان لینا چاہتے تھے اور یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ وہ اس سوال پر کیا رائے ظاہر کرتے ہیں، جس سے ان کے ایمان باللہ و تعلق مع اللہ اور محبت للّٰہ و مع اللہ کی نوعیت و کیفیت معلوم ہو جیسے کبھی استاذ و باپ اپنے شاگردوں اور بچوں سے سوالات کر کے ان کا امتحان لینا چاہتے ہیں۔

اس کی ایک حکمت حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے بیان کی ہے، وہ یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے صاحب زادے سے یہ مشورہ اس لیے کیا کہ آپ تفویض و صبر و تسلیم اور اللہ کے حکم کی تعمیل و انقیاد کا ذکر ان کی زبان سے نکلوانا چاہتے تھے۔(۱)

---

(۱) الدرمنثور:۷/۱۰۹

اور ایک وجہ وحکمت اس مشورہ کی یہ ہے کہ حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام کو حکم الٰہی پر عمل کے لیے پہلے ہی سے تیار کردیں؛ کیوں کہ اطلاع وخبر کے بغیر اچانک ذبح کرنے کی صورت میں یہ امکان تھا، کہ کہیں بے خبری میں مزاحمت نہ کریں۔ لہٰذا بہ صورتِ مشورہ اطلاع دے کر اس حکمِ خداوندی پر عمل کی ترغیب اور اس کے لیے تیار رہنے کی تاکید فرمائی ہے؛ لہٰذا اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں۔

دوسرا نکتہ

دوسری بات یہ قابل غور ہے کہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام کو یہ نہیں بتایا کہ مجھے اللہ کا حکم ہوا ہے کہ میں تم کو ذبح کروں، بل کہ صرف خواب کے حوالے سے یہ فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں، اس میں بہ ظاہر یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کی طرف منسوب کر کے پیش فرمانے کی صورت میں خدانخواستہ حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام اس میں کچھ پس وپیش کرتے تو حکمِ خداوندی سے صریح اعراض و روگردانی لازم آتی، لہٰذا آپ عَلَیْہِ السَّلَام نے اس کو حکمِ خداوندی کی صورت سے پیش نہیں کیا، بل کہ اپنے ایک خواب کی حیثیت سے پیش کیا اور رائے دریافت کی؛ تاکہ وہ اس خواب کی تعبیر میں غور کریں؛ مگر چوں کہ حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام اللہ کے نبی ہونے والے تھے، تو اللہ نے آپ کو توفیق دی کہ وہ خواب کا منشا بھی سمجھ گئے اور ساتھ ساتھ تعمیل کے لیے بھی پوری طرح مستعد و تیار ہو گئے۔

تیسرا نکتہ

حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام کی بصیرت وفراست کا اندازہ کیجیے کہ حضرت

ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے خواب کو سن کر فرماتے ہیں ﴿ اِفْعَلْ مَاتُؤْمَرُ ﴾ کہ آپ کو جس کا حکم ہوا ہے وہ کیجیے۔حالاں کہ حکم ہونے کا کوئی ذکر حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے نہیں فرمایا؛ وجہ یہ ہے کہ حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام نے چوں کہ خاندان نبوت وخانۂ نبوت میں تربیت پائی تھی؛ اس لیے آپ نے سمجھ لیا کہ نبی کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے، اس لیے خواب کو حکم سے تعبیر فرمایا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی پر جس طرح بیداری میں اللہ کی وحی نازل ہوتی ہے، اسی طرح حالت نوم (سونے کے وقت) بھی آتی ہے، کیوں کہ نبی کا قلب سوتے وقت بھی بیدار اور متوجہ الی اللہ ہوتا ہے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کتاب کی شکل میں جس طرح وحی آتی ہے اسی طرح کتاب سے ہٹ کر بھی وحی ہوتی ہے جس کو حدیث وسنت کہتے ہیں۔

چوتھا نکتہ

جب حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام نے والد کی بات سن کر یہ فرمایا کہ آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کیجیے، تو اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ مجھے آپ ان شاءاللہ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے، یہ دراصل والد محترم حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو یقین دلانے کے لیے تھا کہ تعمیل حکم میں، میں بھی آپ کا پورا تعاون کروں گا اور کوئی مزاحمت نہیں کروں گا، پھر اس میں ''ان شاءاللہ'' کا لفظ بڑھا کر مشیت خداوندی پر اعتماد اور اس سے استناد کیا ہے، جو ایک طرف ان کے کمال ایمان واعتماد علی اللہ اور توکل علی اللہ کی طرف اشارہ کرتا ہے، تو دوسری طرف یہ بتا رہا ہے کہ انھوں نے اپنے نفس پر اعتماد وبھروسہ نہیں کیا، جو ان کے کمالِ اخلاق کا پتہ دے رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ان شاء اللہ کہہ کر حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام نے بتایا کہ میں صرف اللہ کی توفیق سے اس حکم کی تعمیل میں ثابت قدم رہ سکتا ہوں؛ ورنہ نفس پر کوئی

بھروسہ نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے؛ بل کہ ہر دینی ودنیوی معاملے میں صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

پانچواں نکتہ

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس جواب میں ایک اور بات بڑی ہی قابل غور ہے، وہ یہ کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ مجھے "صبر کرنے والا" پائیں گے، بل کہ یوں فرمایا کہ "مجھے آپ صبر کرنے والوں" میں سے پائیں گے، اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ میں اکیلا ہی صبر کرنے والا نہیں ہوں کہ یہ میری خصوصیت ہو بل کہ صبر کرنے والے تو بہت ہیں، ان ہی میں سے ایک میں بھی ہوں، یہ دراصل آپ کی غایتِ تواضع کی بات ہے۔

مقام عبرت

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اس جواب میں جو اہم نکات آپ نے ملاحظہ فرمائے، ان سے آپ کی فہم وبصیرت کا کمال، ایمان ویقین کی پختگی، تعلق ومحبت خداوندی کا رسوخ، اخلاق وآداب کی پاکیزگی کا خوب اندازہ ہوتا ہے؛ مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جس وقت یہ جواب آپ نے دیا تھا، آپ کی عمر اس وقت صرف ۱۳ (تیرہ) برس کی تھی۔ (۱)

اللہ اکبر! اس چھوٹی سی عمر میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ایسا جواب دینا، آپ کی سلامتیٔ طبع کی بین دلیل ہے۔ اس جواب سے ہمیں عبرت حاصل کرنا چاہیے کہ اگر اللہ کا حکم ہمارے سامنے آئے، تو کیا ہم اسی طرح اس کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس طرح کی قربانی پیش کرتے ہیں؟ جانور کی قربانی تو ہم بھی کرتے

(۱) روح المعاني: ۲۳/ ۱۲۸، القرطبي: ۱۵/ ۹۹

ہیں؛ مگر جب تک یہ جذبہ اس کے اندر کارفرما نہ ہو، وہ حقیقی معنی میں قربانی کہاں؟!

ذبح کی تیاری اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے رخصتی

اس کے بعد حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے اللہ کے اس حکم کی تعمیل کے لیے تیاری فرمائی، "قصص النبیین" کی روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے فرمایا کہ اسماعیل کے سر کو کنگھی کر کے بال اس کے مشک وعنبر سے خوشبودار کردو اور آنکھوں میں سرمہ لگا کر پاکیزہ کپڑے پہنا دو کہ میرے ساتھ دعوت میں جائیں گے، چناں چہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اسی کے موافق تیار کر دیا اور فرمایا کہ اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ضیافت میں جاؤ چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر نکل پڑے، اس روایت میں جو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ کو بتایا کہ دعوت میں جانا ہے، یہ کوئی جھوٹ نہیں؛ کیوں کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک دعوت ہی تھی، دعوت صرف کھانے پینے ہی کی نہیں ہوتی، دعوت روحانی بھی ہوتی ہے اور اس میں کیا شک ہے کہ یہ دعوت روحانی تھی۔

شیطان کا بہکاوا اور حضرت ہاجرہ کا جواب

جب حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام گھر سے چلے گئے، تو شیطان کو بڑی فکر لاحق ہوئی اور وہ ان حضرات کے اس نظام وپروگرام کو باطل کرنے کی تدبیر سوچنے لگا، ایک حدیث میں ہے کہ شیطان نے کہا کہ اگر میں نے ان کو اس موقعے پر فتنہ میں نہ ڈالا تو پھر کبھی بھی میں ان کو بہکا نہ سکوں گا۔ (۱)

(۱) ابن کثیر: ۴/۱۵، الدر المنثور: ۷/۱۰۸، القرطبي: ۱۵/۱۰۵

اس کے بعد وہ سب سے پہلے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پاس گیا اور ان کو بہکانے کی کوشش کرنے لگا، شاید یہ خیال کیا ہوگا کہ عورت عقل و دین دونوں میں ناقص و کمزور ہوتی ہے؛ لہٰذا پہلے ان ہی کو فتنے میں ڈالا جائے اور پھر ان کے ذریعے ابراہیم واسماعیل علیہما السلام پر بھی قبضہ کیا جاسکتا ہے، چناں چہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے پاس انسانی شکل میں آیا اور کہنے لگا۔

"کیا تم کو خبر بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام تمھارے بچہ کو کہاں لے گئے ہیں؟"

ایک جگہ "ابن کثیر" و "قرطبی" و "درمنثور" میں جو روایت آئی ہے اس میں اس واقعہ کو اسحاق علیہ السلام کا بتایا گیا ہے اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی جگہ حضرت سارہ کا نام ہے، ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حدیث منکر ہے اور اگر محفوظ ہے، تو اشبہ یہ ہے کہ اسماعیل کی جگہ اسحاق کر کے تحریف کی گئی ہے۔ اصل حدیث حضرت کعب احبار سے ہے اور غالباً اسرائیلی روایات اس کا ماخذ ہیں اور یہود نے اس میں حسد سے تحریف کر کے اسماعیل کو اسحاق بنا دیا ہے۔

حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا کہ وہ اپنی کسی ضرورت سے لے گئے ہیں، کہنے لگا کہ نہیں وہ تو اپنے بچے کو ذبح کرنے لے گئے ہیں، حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا کہ کیا کوئی باپ اپنے بچے کو ذبح کرتا ہے؟ کہنے لگا کہ ان کے خدا کا ان کو یہی حکم ہے۔ حضرت ہاجرہ فرمانے لگیں کہ اگر خدا کا یہ حکم ہے، تو یہ اچھی بات ہے کہ اس کی تابعداری کی جائے۔ (۱)

حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی ایمانی قوت

شیطان نے خیال کیا تھا کہ میں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو عورت ذات ہونے

(۱) ابن کثیر:۴/۱۵، قرطبی:۱۵/۱۰۵، درمنثور:۷/۱۰۸

کی وجہ سے بہ آسانی بہکا لوں گا، مگر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے ایسا جواب دیا کہ اس کی ساری تدبیر فیل ہوگئی، حضرت ہاجرہ کو نہیں معلوم تھا کہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام بچے کو کہاں لے گئے ہیں؟ صرف اتنا معلوم تھا کہ دعوت میں گئے ہیں یا کسی حاجت وضرورت سے تشریف لے گئے ہیں جب شیطان نے (جو انسانی شکل میں آیا تھا) بتایا کہ ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام تو اپنے بچے کو ذبح کرنے لے گئے ہیں، تو اولاً حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے یہ جواب دیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام اپنے بچے کو ذبح کر دیں کیا کوئی باپ اپنے بیٹے کو قتل کرتا ہے؟ یہ سن کر شیطان لاجواب ہوگیا اور اپنی بات پر یقین دلانے کے لیے ایک ایسی بات اس کی زبان سے نکل گئی، جس سے اس کی پوری تدبیر وکارروائی اکارت ہوگئی، شیطان نے کہا کہ ہاں کوئی باپ اپنے بچہ کو ذبح نہیں کرتا؛ مگر ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام اپنے بچے کو اس لیے ذبح کرنا چاہتے ہیں کہ ان کو اللہ کا یہی حکم ہوا ہے۔ شیطان یہ سمجھا کہ جب میں یہ کہوں گا، تو وہ پریشان ہوجائیں گی اور واویلا مچائیں گی، گھر کے باہر دوڑ پڑیں گی اور ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی راہ میں مزاحم بن جائیں گی؛ مگر ہوا یہ کہ حضرت ہاجرہ نے جوں ہی سنا کہ اللہ کے حکم کی بنا پر حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام اپنے بچے کو ذبح کرنے لے گئے ہیں، تو خدا کے نام وہ بھی مر مٹنے کو تیار ہوگئیں اور کہنے لگیں کہ اگر خدا نے یہ حکم دیا ہے، تو پھر مجھ کو بھی منظور ہے اور بہ زبان حال یوں گویا ہوئیں کہ:

برتر از اندیشۂ سود وزیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جان ہے زندگی

غرض شیطان مایوس ہوگیا اور دوسری تدبیر سوچنے لگا کہ اس عبادت اور اطاعت سے کس طرح ان کو روکوں؟

حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو بہکانے کی کوشش ناکام

پھر وہ حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام کی طرف دوڑا اور حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کو بہکانے کی کوشش کرنے لگا، کہا کہ آپ اپنے بیٹے کو لیے کہاں جا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ایک حاجت اور کام سے جا رہا ہوں، شیطان کہنے لگا کہ نہیں! آپ تو اس کو ذبح کرنے کے لیے لے جا رہے ہیں، حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے (اسی کی زبان سے حق نکلوانے کے لیے فرمایا کہ) میں کیوں اپنے بچے کو ذبح کروں گا؟ شیطان کہنے لگا کہ اللہ کا آپ کو یہی حکم ہے اس لیے آپ اس کو ذبح کریں گے اور ایک روایت میں ہے کہ شیطان حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کے ایک دوست کی شکل میں آیا اور کہا کہ آپ ایک خواب کی بنا پر اپنے بچے کو ذبح کرنے لے جا رہے ہیں، جب کہ خواب کبھی سچا ہوتا ہے، تو کبھی اس میں خطا بھی ہو جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قسم بہ خدا خدا کا حکم ہے، تو مجھ کو تو یہ کرنا ہی چاہیے، اس پر وہ وہاں سے بھی ناکام و نامراد واپس ہوا۔(۱) روایات میں اس بارے میں اختلاف ملتا ہے کہ شیطان بہکانے کی کوشش میں پہلے حضرت ابراہیم کے پاس گیا یا حضرت اسماعیل کے پاس؟ مگر اس میں کوئی فیصلہ کرنا دشوار ہے۔ اس لیے یہاں ہم نے جو اختیار کیا ہے، وہ کسی فیصلہ کی وجہ سے نہیں ہے۔ بل کہ ایک روایت ہونے کی حیثیت سے ہے۔

حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام کو بہکانے کی کوشش

اس کے بعد شیطان، حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام کو بہکانے کی کوشش کرنے لگا، جب یہ حضرات منیٰ کی وادی کے قریب ہوئے تو یہ مردود شیطان حضرت

(۱) الدر المنثور :۷/۱۰۸، الطبري:۱۰/۵۱۱

اسماعیل علیہ السلام کے قریب آیا اور کہنے لگا کہ خبر بھی ہے کہ تمھارے والدتم کو کہاں لے جارہے ہیں؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی جناب میں قربانی کرنے کے لیے لے جارہے ہیں، شیطان نے کہا کہ ہاں! مگر وہ کسی جانور کی نہیں بل کہ تمھاری قربانی کرنے کے لیے جارہے ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ کام اللہ کے حکم سے کررہے ہیں یا اپنی مرضی سے؟ شیطان اس کے جواب میں یہ تو نہیں کہہ سکتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی مرضی سے کررہے ہیں کیوں کہ اس پر حضرت اسماعیل علیہ السلام ہرگز یقین نہ کرتے بل کہ تردید کردیتے؛ لہٰذا نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو یہ کہنا پڑا کہ یہ کام وہ اللہ کے حکم سے کررہے ہیں اس پر حضرت اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا کہ جب ذبح کا حکم اللہ کی طرف سے ہے، تو میں کیسے اس کی مخالفت کرسکتا ہوں؟ یہ سن کر شیطان خائب وخاسر لوٹ گیا، ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ اللہ کی خاطر مجھے ذبح کر رہے ہیں، تو میں اس پر صبر کروں گا اور اللہ اس کا اہل ہے۔ (۱)

اس طرح شیطان کی یہ دوسری تدبیر بھی ناکام ہوگئی اور یہ ظاہر ہوگیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی نہیں ؛ بل کہ یہ پورا گھرانہ اور یہاں کا بچہ بچہ عشق خداوندی میں سرشار وچور ہے اور اس کی وجہ سے وہ اپنی جان بھی اللہ کے نام پر قربان کرنے کو تیار ہے۔

حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام کی رمی جمار

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس جگہ شیطان پر کنکریاں ماریں؛ تاکہ وہ دفع ہو اور "مسند احمد" کی ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ذبح کا حکم دیا گیا تو شیطان سعی کے وقت حاضر ہوا اور حضرت

(۱) بدائع الزہور : ۹۲ و در منثور : ۱۱۰/۷

ابراہیم علیہ السلام سے آگے بڑھا، پس حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے آگے بڑھ گئے۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو ''جمرۃ العقبہ'' کی طرف لے گئے، تو شیطان وہاں بھی ظاہر ہوا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کو سات کنکریاں ماریں پس وہ چلا گیا پھر ''جمرۃ الوسطیٰ'' کے پاس ظاہر ہوا، تو آپ نے پھر سات کنکریاں اس کو ماریں، تو وہ چلا گیا اور پھر جمرۃ الاخریٰ کے پاس ظاہر ہوا، تو آپ نے پھر سات کنکریاں پھینکیں اور وہ بھاگ گیا۔ (۱)

شیطان اللہ کا دشمن ہے۔ اس کو دفع کرنے کے لیے تدبیر، دراصل اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت کا تقاضہ ہے؛ اس لیے اللہ کو حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام کی یہ ادا اس قدر پسند آئی کہ اس کو حاجیوں کے لیے مشروع کردیا اور ان حضرات کا یہ عمل قیامت تک کے لیے زندۂ جاوید بنادیا گیا۔

باپ بیٹے کی گفتگو

غرض شیطان کو دفع کرنے اور اس کی تدبیروں اور سازشوں کو ناکام بنانے کے بعد یہ دونوں مقدس ہستیاں اللہ کے حکم کی تعمیل وتکمیل کے لیے تیاری کرنے لگیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد سے عرض کیا کہ ذبح سے پہلے میرے ہاتھ پیر مضبوط باندھ دیں، کہ کہیں ذبح کے بعد میرے تڑپنے سے آپ کے کپڑوں پر خون کے چھینٹے نہ پڑجائیں اور میرا منہ زمین کی طرف کردیں؛ تاکہ میری نظر آپ پر اور آپ کی نظر مجھ پر نہ پڑے اور جوشِ محبت تعمیلِ حکمِ خداوندی میں حائل نہ ہوجائے، ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ مجھے اچھی طرح سے باندھ دیں، کہ کہیں آپ کے کپڑوں پر میرے خون کے چھینٹے نہ پڑجائیں۔ (۲)

---

(۱) ابن کثیر :۴/۱۵ القرطبي :۱۵/۱۰۶، الدر المنثور :۷/۱۰۵

(۲) الدرمنثور :۷/۱۰۴، الطبري:۱۰/ ۵۰۷

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَامُ نے عرض کیا کہ آپ اپنے کپڑوں کو مجھ سے بچا کر رکھیں؛ تاکہ ان پر خون نہ لگ جائے اور میری والدہ اس کو دیکھ کر غمگین نہ ہو جائے اور ایک بات یہ عرض کی کہ میری والدہ کو سلام سنا دینا۔(۱)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَامُ نے یہ مشورہ دیا تھا، کہ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے جائیں؛ مگر "بدائع الزھور" میں علامہ محمد بن احمد بن ایاس حنفی نے یہ نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ نے جب حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَامُ کے ہاتھ پیر باندھنے چاہے، تو حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَامُ نے عرض کیا کہ ابا جی! میرے ہاتھ پیر رسی سے نہ باندھیں؛ کیوں کہ فرشتے کہیں گے کہ اللہ کے حکم پر عمل کرنے میں اس نے جزع فزع کیا چناں چہ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ نے پھر ان کے ہاتھ پیر جن کو باندھ دیا تھا کھول دیا۔(۲)

لیکن واللہ اعلم بالصواب پہلی بات ہی صحیح معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اکثر روایات میں اسی پہلی بات کا ذکر ہے۔

ذبح عظیم

جب پوری طرح حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَامُ کو تیار کر دیا، تو ذبح کے لیے ان کو پیشانی کے بل لٹا دیا، جیسا کہ قرآن نے فرمایا ہے: ﴿ وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ﴾ (کہ ان کو پیشانی کے بل لٹا دیا) اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا یہ مشورہ حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَامُ نے دیا تھا، پھر گردن پر چھری چلانے لگے اور پوری قوت وتوانائی اور شدت کے

---

(۱) الطبري: ۱۰/۵۰۷

(۲) بدائع الزھور: ۹۲

ساتھ آپ نے چھری چلائی؛ مگر حیرت ناک طور پر یہ دیکھا گیا کہ وہ چھری جو روزانہ بے شمار چیزوں کو کاٹتی اور ذبح کرتی تھی، وہ آج اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری چلانے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھ میں کند ہوگئی ہے۔وہ تعمیل ارشاد خداوندی میں بیٹے کو ذبح کرنا چاہتے ہیں اور چھری ہے کہ اس میں رکاوٹ بن رہی ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ چھری تعمیل حکم میں مانع بن رہی ہے، تو آپ کو غصہ آیا اور آپ نے چھری کو زور سے پھینک دیا، اب اللہ تعالیٰ نے چھری کو گویائی عطا فرمائی اور چھری کہنے لگی:

"اے ابراہیم! میں دو امروں کے درمیان: ہوں ایک طرف خلیل کا حکم ہے کہ میں کاٹوں اور دوسری طرف رب جلیل کا حکم ہے کہ ہرگز نہ کاٹوں اور میں جلیل کا حکم مانوں گی نہ کہ خلیل کا۔"(۱)

اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آپ کی یہ چاقو پیتل میں تبدیل ہوگئی (غالباً یہ مطلب ہے کہ اس کا استعمال ذبح کے لیے نہیں کیا جاسکتا تھا)۔(۲)

اسی اثنا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ آواز دی گئی:

﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا﴾ (سورۃ الصافات:۱۰۵)

(اے ابراہیم! آپ نے خواب کو سچ کر دکھایا!)

کیوں کہ خواب میں یہی دیکھا تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں اور یہاں بھی وہی ہوا کہ اپنی پوری قوت وطاقت اس کے لیے خرچ کر دی کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر بیٹے کو ذبح کر دوں۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے چھری کے اندر سے کاٹنے اور ذبح

(۱) بدائع الزهور :۹۲
(۲) الدر المنثور :۱۱۲/۷

کرنے کی صلاحیت سلب کرلی۔

حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام اسی حالت میں ہیں کہ اللہ کا فرشتہ جبریل آتا ہے اور حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام کو اٹھا کر ان کی جگہ جنت کا ایک مینڈھا رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ اس مینڈھے کو ذبح کردیجیے۔قرآن میں اسی کو فرمایا:

﴿وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾

(ہم نے فدیہ دیا ان کا ذبح عظیم سے) (الصّٰفّٰت:۱۰۷)

متعدد روایات میں ہے کہ یہ مینڈھا، جس کو اللہ نے جنت سے حضرت اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام کے بدلے میں ذبح کرنے کے لیے بھیجا تھا، وہ جنت میں چالیس سال تک چرتا رہا تھا اور یہ کہ یہ وہ مینڈھا تھا، جس کو حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے بیٹے ہابیل نے اللہ کے نام قربانی کرتے ہوئے پیش کیا تھا، اللہ نے اس کو جنت میں محفوظ رکھا تھا۔(۱)

تکبیراتِ تشریق کی ابتدا

ایک روایت ہے کہ جب حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام نے اسماعیل عَلَیْہِ السَّلَام کے گلے پر چھری چلائی؛ تو آسمان وزمین کے فرشتے بے قرار ہوکر چیخ اٹھے اور پرندوں اور جانوروں میں ہلچل مچ گئی کہ یہ کیا ہورہا ہے؟ اور سب نے اللہ کی جناب میں عرض کیا کہ اے اللہ! اس شیخ پر اور اس بچے پر رحم فرما۔(۲)

پھر یہ دیکھ کر حضرت جبریل عَلَیْہِ السَّلَام کی زبان سے نکلا "الله أكبر الله أكبر" اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ نے فرمایا "لا إله إلا الله والله أكبر" اور حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام

(۱) الطبري:۱۰/ ۵۱۲، الدر المنثور:۷/۱۱۳

(۲) بدائع الزهور:۹۲

نے فرمایا" أللّٰه اکبر وللّٰه الحمد" یہ تکبیر تشریق ہے، جو ایام تشریق میں سنت قرار پائی اور آج تک باقی ہے۔(۱)

عبرت وموعظت

یہ پورا واقعہ ہمارے لیے عبرت وموعظت ہے اور اس کے جز جز اور اس کی ایک ایک کڑی میں ہمارے لیے ہدایت کا سامان ہے- بعض اجزا پر کلام اوپر عرض کیا گیا ہے؛ مگر مجموعی حیثیت سے یہ پورا واقعہ ہمارے لیے جو عبرت اور موعظت کا سامان بہم پہنچاتا ہے، وہ یہ ہے کہ بندۂ مومن اللہ کی محبت میں، اللہ کے حکم کے مطابق، ہر چیز قربان کرنے تیار ہو جاتا ہے، مال تو اس کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا، کہ اس کی قربانی اس کے لیے مشکل ہو، وہ تو اس سے بڑھ کر اپنی لاڈلی اور پیاری اولاد کو بھی اس کے نام پر ذبح کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، اس کی نظر اس پر ہوتی ہے کہ میرا اللہ مجھ سے راضی وخوش رہے، قربانی کا یہ واقعہ دراصل اسی محبتِ خداوندی کا مظاہرہ ہے۔

لہٰذا قربانی کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ اسی جذبہ اور ایسی ہی محبت خداوندی کے ساتھ قربانی کریں ؛ کیوں کہ اسلام کا منشا اس عمل سے یہی ہے کہ بندہ اللہ کی محبت میں سرشار اور چور رہے اور اسی کے مظاہر کے لیے قربانی پیش کرے، یہی وجہ ہے کہ جانور کی قربانی کی جگہ کوئی شخص غربا اور مساکین کو روپیہ دے دے تو قربانی کا ثواب نہ ملے گا اور یہ جائز نہ ہوگا، کیوں کہ قربانی کا مقصد غریبوں کی امداد نہیں ہے؛ حتیٰ کہ اگر کوئی گوشت لینے والا نہ ہو، تب بھی قربانی ہی کرنا ضروری ہے۔

غرض یہ کہ جس طرح حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام نے اللہ کی محبت کا حق ادا کرنے کی کوشش کی، اس طرح ہم کو بھی چاہیے کہ اس خالق و

(۱) القرطبي ۱۵/۱۰۲

مالک کی محبت میں ہمہ وقت اس کے احکام کی اطاعت کے لیے تیار رہیں اور اس کے لیے ہر طرح کی قربانی دیں یہی وہ چیز ہے، جس نے اسلام کو ہر دور میں زندہ اور تاباں رکھا ہوا ہے اور یہی وہ عظیم و مبارک جذبہ ہے، جس نے اسلام دشمن طاقتوں کو حیراں و پریشاں کیا ہوا ہے، کہ اسلام کی اس قدر مخالفت اور اس کی خلاف سازشوں کے اس قدر جال بچھائے جانے کے باوجود؛ وہ آج تک کس طرح نہ صرف زندہ ہے بل کہ ہر روز ترقی کی طرف گامزن ہے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان

تمّت

فقہِ اسلامی

اور

غیر مقلدین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گذارش احوال واقعی

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلاَمُ عَلٰی

سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن،اَمَّا بعد:

دین اسلام سے وابستہ معمولی درجہ کا آدمی بھی اس بات کو جانتا اور مانتا ہے کہ ہم تک جو" دین وشریعت" کے احکام ومسائل، حقائق ومعارف اور اس کا مزاج و انداز پہنچا اس کا ذریعہ ووسیلہ اولاً حضرات صحابہ ہیں پھر تابعین وتبع تابعین اور بعد کے ائمہ محدثین وفقہاء ہیں، اگر اس واسطہ کو درمیان سے اٹھادیا جائے تو" دین و شریعت" سے ہماری وابستگی کا کوئی معنی ہی نہ ہوگا۔

اسی لیے ہمیشہ سے اہل اسلام نے حاملین دین وشریعت صحابہ، علماء، فقہاء و محدثین کی عظمت وجلالت بزرگی وشرافت، دیانت وامانت، تقویٰ وطہارت کا اعتراف کیا ہے اور اپنی نسلوں میں اس عظمت واعتماد کو باقی رکھنے کی فکر فرمائی ہے کیوں کہ اگر اسلاف پر اعتماد نہ رہا تو نہ قرآن پر اعتماد ہوسکتا ہے اور نہ حدیث پر اور نہ دین کی کسی بات پر۔

مگر افسوس کہ بعض لوگ، اسلام دشمن عناصر کی رچائی ہوئی سازش کا شکار ہوکر، اسلاف کی عظمت وجلالت اور ان کے اعتبار واعتماد کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے؛ بل کہ مشکوک کرنے کی ناروا جسارت کررہے ہیں۔

کبھی صحابہ کرام کی عظیم شخصیات پر تنقید و جرح کرتے ہیں؛ کبھی تابعین و تبع تابعین وائمہ فقہ وحدیث کو ہدف ملامت بناتے ہیں؛ کبھی ان کی شخصیات کو مورد لعن وطعن قرار دیا جاتا ہے؛ تو کبھی ان کے کارناموں اور قربانیوں اور خدمات کو ہدف الزام بنا کر ان میں کیڑے نکالنے کی کوشش کی جاتی ہے، یہ سب دراصل انگریزی و سامراجی قوتوں کا پیدا کردہ ناپاک فتنہ ہے؛ جس کا مقصد اسلاف اور ان کی خدمات سے اعتماد کو ختم کرنا اور اہل اسلام میں دین وشریعت کے بارے میں شک وریب پیدا کرنا ہے، اس فتنہ وسازش میں جہاں بہت سے لوگ ملوث ہوئے، وہیں شعوری یا غیر شعوری طور پر ''طبقۂ غیر مقلدین'' بھی اس سازش کا آلۂ کار بن گیا اور اس نے مسلسل حضرات ائمہ وفقہا؛ بل کہ حضرات صحابہ کرام کو ہدف ملامت بنا کر، لوگوں کے درمیان اختلاف وانتشار اور اسلاف سے بے اعتمادی وبدظنی کی فضا پیدا کردی ہے۔

اس طبقہ نے اپنا نام ''اہل حدیث'' رکھا ہے، یہ دراصل، اس لفظ کا غاصبانہ قبضہ ہے، جس طرح منکرین حدیث نے اپنا نام ''اہل قرآن'' رکھ لیا ہے، اور اس لفظ پر غاصبانہ قبضہ کرنے کی کوشش کی ہے، قرآن وحدیث پر عمل پوری امت کا مشترکہ ورثہ ہے، صرف اپنے کو اہل قرآن کہنا، یا اہل حدیث کہنا اور پوری امت کو قرآن کا یا حدیث کا باغی یا منکر قرار دینا، انتہائی جسارت کی بات ہے، پھر خاص طور پر صحابہ وفقہا وائمہ کو بھی قرآن وحدیث کے باغی اور اپنی رائے کے پابند کہنا انتہائی درجہ کی جسارت ہے مگر یہ طبقہ اس جسارت ہی کو اپنی پوری لیاقت وحقانیت سمجھتا ہے۔

پھر جن مسائل کو عام طور پر یہ لوگ اچھالتے اور عوام کو انتشار وپریشانی میں مبتلا کرتے ہیں، ان میں سے اکثر وہ ہیں جن میں زمانۂ سلف سے اختلاف چلا آرہا ہے اور اس فروعی وجزئی اختلاف کو صحابہ وتابعین وتبع تابعین اور ان کے بعد بھی ہر زمانہ کے علما وائمہ نے نہ تو حق وباطل کا اختلاف سمجھا اور نہ اس کی وجہ سے ایک دوسرے پر

اعتراض ونکیر فرمائی؛ بل کہ اس اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ احترام و اکرام محبت وعظمت اور حسن سلوک و رعایت ادب کا معاملہ فرمایا مگر غیر مقلدین انہی مسائل اختلافیہ کو حق و باطل بل کہ ایمان وکفر کا اختلاف سمجھتے اور سارے ائمہ وعلما اور عام مسلمین کی تفسیق وتضلیل اور تکفیر وتذلیل کرتے ہیں۔

ان کا کہنا تو یہ ہے کہ امت میں اتحاد ہونا چاہیئے ؛ مگر اتحاد کی جو صورت یہ لوگ پیش کرتے ہیں وہ نہ شرعاً قابل قبول ہوسکتی ہے اور نہ عقلاً قابل اعتبار، کیوں کہ یہ لوگ کہتے ہیں:

''ائمہ وفقہا کو چھوڑ دو اور سب کے سب قرآن وحدیث پر جمع ہو جاؤ''۔

بہ ظاہر یہ نعرہ خوبصورت معلوم ہوتا ہے لیکن نہ شرعاً یہ قابل قبول ہے نہ عقلاً۔

شرعاً تو اس لیے کہ اس نعرہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر جاہل کو قرآن وحدیث کی تشریح کا حق دے دیا جائے اور ائمہ وفقہا نے جو تشریحات وتوجیہات بیان کی ہیں ان کو فضول سمجھا جائے اور جاہل واناڑی لوگوں کے ہاتھوں میں قرآن وحدیث دے کران کا کھلواڑ کیا جائے، ظاہر ہے کہ شریعت اس کی اجازت ہرگز نہیں دیتی۔

اور عقلاً یہ اس لیے ناقابل اعتبار ہے کہ اگر ایسا کیا بھی جائے گا تو پھر بھی قرآن وحدیث کے سمجھنے میں اختلاف پیدا ہوگا جس سے بچنے کے لیے انہوں نے یہ مشورہ دیا ہے؛ بس فرق یہ ہوگا کہ اسلاف کے مابین جو اختلاف ہوا اس کی بنیاد علم وتحقیق اور دلائل وبراھین تھے اور ان غیر مقلدین کے مابین جو اختلاف ہوگا (بل کہ ہوا) وہ جہالت وبے خبری کی بنیاد پر ہوگا، چناں چہ ان میں بھی کئی فرقے بن چکے ہیں جو ایک دوسرے کو غلط قرار دیتے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ لوگ جو اتحاد امت کا نعرہ لگاتے ہیں ائمہ اسلاف کو اور اہل

اسلام کو مشرک، کافر، فاسق و فاجر کہہ کر، اتحاد کس طرح پیدا کریں گے؟ جب کہ ان کی یہ روش انتہاء درجہ اختلاف و انتشار پیدا کرتی ہے؟

یہ لوگ عموماً بخاری شریف اور مسلم شریف پر عمل کے مدعی ہیں اور دوسروں سے بھی اس کا مطالبہ کرتے ہیں کہ بخاری و مسلم میں حدیث دکھاؤ، جب کہ نہ اللہ نے فرمایا اور نہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کہ صرف بخاری و مسلم کی حدیثوں پر عمل کرو پھر بخاری و مسلم کی حدیثوں پر صحیح ہونے کا حکم اور اس پر ایسا پختہ عقیدہ، محض ''امام بخاری و امام مسلم'' کی تقلید میں ہے؛ جب کہ یہ لوگ فقہا کی تقلید کو حرام و شرک کہتے ہیں اگر امام ابوحنیفہ اور فقہا کرام کی تقلید شرک ہے تو امام بخاری و امام مسلم کی تقلید کرنا کیسے جائز ہوا؟

پھر یہ لوگ تقلید کو حرام و شرک کہتے ہیں حالاں کہ ان کے عام لوگ؛ بل کہ عام علما بھی ان کے اپنے علما ہی کی تقلید کرتے ہوئے زندگی گزار رہے ہیں، ایک واقعہ جو خود میرے ساتھ پیش آیا تھا عرض کردوں، ایک دن میں اپنے بعض دوستوں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک صاحب نے آ کر ملاقات کی پھر کچھ مسئلہ پوچھا، میں نے جواب دیا تو وہ صاحب پوچھنے لگے کہ کیا یہ بات بخاری میں ہے؟ اب میں سمجھا کہ یہ صاحب غیر مقلد ہیں کیوں کہ بخاری شریف کو تو پوری امت مانتی ہے، مگر دین کو بخاری میں یا مسلم میں منحصر سمجھنا ''غیر مقلدین'' کی خصوصیت ہے، میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ جو کچھ کرتے ہیں وہ سب بخاری شریف سے ثابت ہے؟ کہنے لگے کہ ہاں، میں نے کہا کہ آپ نماز میں ہاتھ کہاں باندھتے ہیں؟ کہا کہ سینہ پر باندھتا ہوں میں نے کہا کہ یہ بخاری میں کہاں ہے؟ کہنے لگے کہ کیا بخاری میں نہیں ہے؟ میں نے کہا کہ دعویٰ آپ کریں اور دلیل میں دوں؟ میں نے کہا کہ یہ نہ بخاری میں

ہے نہ مسلم میں ہے، اب تو بڑے پریشان ہوئے، پھر کہنے لگے کہ نہیں، بخاری میں ضرور ہوگا، میں فلاں (نام لیکر) مولانا سے پوچھ کر آتا ہوں، میں نے کہا کہ یہی تقلید ہے کہ آپ صرف اپنے علما کے کہنے پر کہ بخاری میں ہے عمل کر رہے ہیں اور آپ کو خود پتہ نہیں ہے کہ یہ بخاری میں ہے یا نہیں؟ اور آپ کے نزدیک تقلید شرک ہے، پھر میں نے کہا کہ آپ کسی بھی اپنے عالم سے پوچھ لیں اور جب بھی بخاری یا مسلم میں مجھے ایسی حدیث دکھا دیں تو ایک لاکھ کا انعام دوں گا، یہ صاحب اب بھی ادھر ادھر نظر تو آتے ہیں مگر آنکھ بچا کر چلے جاتے ہیں، افسوس کہ انعام لینے کی جرأت وہ آج تک نہ کر سکے۔

غرض یہ کہ خود غیر مقلدین بھی تقلید کرتے ہیں مگر تقلید کو شرک کہتے ہیں اور ائمہ کے خلاف لوگوں کا ذہن بناتے ہیں اسی اختلاف وانتشار کو ختم کرنے کے لیے اور عوام کو اصل حقیقت سمجھانے کے لیے زیر نظر مضامین، مختلف اوقات میں لکھے گئے تھے، ان میں سے بعض مضامین روزنامہ ''سالار'' بنگلور میں شائع ہو چکے ہیں، اب ضرورت پر ان سب کو جمع کر کے اور بعض مضامین کا اضافہ کر کے کتابی صورت میں، پیش کیا جا رہا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مجموعہ کو حسنِ قبول عطا فرمائے اور لوگوں کے لیے مفید و بارآور فرمائے۔

فقط

محمد شعیب اللہ خان عفی عنہ

جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

۸/صفر ۱۴۲۲ھ مطابق ۳۰، مئی ۲۰۰۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقہ کی حقیقت وضرورت

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور احسان سے انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے احکامات اور تعلیمات نازل فرمائے اور ان کے نزول کے لیے مقدس ذوات کا انتخاب فرمایا جن کو انبیاء کرام کہا جاتا ہے اور ان کے قول وعمل، ان کی سیرت وکردار اور ان کے حالات ومعاملات کے ذریعہ اپنے احکام وفرامین کی تشریح وتوضیح فرمائی، اس طرح انسانوں کی ہدایت کے لیے ایک طرف خدائی احکام کا مجموعہ تھا تو دوسری طرف نبی کے اقوال واعمال اور اس کی سیرت وکردار کا اُسوہ بھی تھا، آخری نبی خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب خدا کی طرف سے رسول بنا کر بھیجے گئے تو آپ پر اللہ کا آخری ودائمی کلام نازل ہوا جس کو ''قرآن مجید'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور دوسری طرف آپ کے اقوال وافعال، آپ کے کوائف واحوال اور آپ کی سیرت وکردار کے ذریعہ اس کلامِ ربانی وحقّانی کی تشریح وتوضیح اور تبیین وتفہیم اور اس کے احکام پر عمل کی ترتیب وتسہیل کرائی گئی، اس طرح ہماری ہدایت کے لیے دو چیزیں بنیادی واساسی ماخذ کی حیثیت سے مقرر فرمادی گئیں، ایک قرآن مجید، دوسری نبی کی سنت۔

اسلام کے دو بنیادی مآخذ

چناں چہ حدیث پاک میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں' تم جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے' ایک اللہ کی کتاب دوسرے اس کے رسول کی سنت۔ (۱)

نیز ایک حدیث میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہترین کلام، اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور بدترین کام نیا ایجاد کردہ کام (بدعت) ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (۲)

اس حدیث میں ایک اللہ کے کلام کا اور دوسرے طریقہ محمدی (سنت) کا ذکر کر کے باقی امور کو ''شر'' قرار دیا گیا ہے، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کے بنیادی مآخذ، قرآن وحدیث ہیں۔

اجماعِ اُمت

ہاں قرآن وحدیث ہی سے، کچھ اور ماخذ کا بھی ثبوت ہوتا ہے، مثلاً اجماعِ اُمت کہ اگر کسی بات پر صحابہ کرام یا تمام علما وائمہ کا اتفاق ہو جائے، وہ بھی ایک مأخذ اور دلیل ہے، علما نے اجماع کی تعریف یہ لکھی ہے:

الاجماع هو اتفاق جميع المجتهدين من المسلمين فى عصر من العصور بعد وفاة الرسول على حكم شرعى فى واقعة .

''اجماع نام ہے امتِ محمدیہ میں سے اہل حل وعقد (علما وائمہ) کا بعد وفات رسول کسی زمانے میں کسی واقعہ کے حکم پر اتفاق کرنے کا۔'' (۳)

(۱) مشکوٰۃ:۳۱
(۲) مسلم:۱۴۳۵
(۳) علم اصول الفقه:۴۵ الاحکام للآمدی:۲۵۴

علامہ عبدالوہاب خلّاف اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فاذا وقعت حادثة وعرضت على جميع المجتهدين من الامة الاسلامية وقت حدوثها واتفقوا على حكم فيها سمى اتفاقهم اجماعا واعتبر اجماعهم على حكم واحد فيها دليلا على ان هذا الحكم هو الحكم الشرعى فى الواقعة."

(جب کوئی واقعہ ومسئلہ درپیش ہو اور اُمتِ اسلامیہ کے ائمہ مجتہدین کے سامنے اسی زمانے میں وہ پیش کیا جائے اور وہ سب کے سب اس بارے میں ایک حکم پر اتفاق کریں؛ تو اس اتفاق کو اجماع کہا جاتا ہے اور ان کے ایک ہی حکم پر اجماع اور اتفاق کر لینے کو اس بات کی دلیل قرار کر دیا جائے گا کہ اس واقعہ ومسئلہ میں حکم شرعی یہی ہے۔(۱)

اجماع کے حجت ودلیل ہونے کی دلیل قرآن وحدیث میں وارد ہے۔

قرآن کریم نے ایک جگہ فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ط وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا.﴾

(جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا اس کے بعد کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی؛ اور جو اہلِ ایمان کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ کی پیروی کرے گا تو ہم اس کو اس طرف لے جائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور ہم اس کو جہنم رسید کریں گے۔)(النساء :۱۱۵)

علامہ قرطبی رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

" قال العلماء فى قوله تعالى:"ومن يشاقق الرسول" دليل

---

(۱) علم اصول الفقه :۴۵

علی صحة القول بالاجماع"(علماء نے فرمایا کہ اس آیت میں اجماع کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔(۱)

اور علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللّٰہُ فرماتے ہیں:

"**استدل الشافعی** رَحِمَہُ اللّٰہُ **و تابعه الناس بقوله تعالی و من یشاقق الخ علی حجة الاجماع و تحریم مخالفته**"

(کہ امام شافعی اور دیگر لوگوں نے آپ کی اتباع کرتے ہوئے فرمایا کہ اس آیت میں اجماع کے حجت ہونے اور اس کی مخالفت کے حرام ہونے کی دلیل ہے۔)(۲)

نیز حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

«لا تجتمع امتی علی ضلالة.»

(کہ میری اُمت گمراہی پر اتفاق و اجماع نہیں کرسکتی۔)(۳)

اس حدیث سے بھی علمانے استدلال کیا ہے کہ اُمت کا اجماع حجت و دلیل ہے، کیوں کہ اللہ کے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے واضح الفاظ میں فرمایا کہ میری اُمت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوسکتی، لہٰذا اگر اُمت کسی بات پر اجماع کرلے تو وہ حق ہی پر اجماع ہوگا۔

غرض یہ کہ قرآن وحدیث ہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک دلیل وماٴخذ اجماع اُمت بھی ہے جس سے احکام کا علم ہوتا ہے۔

---

(۱) قرطبی:۵/۳۸۷

(۲) استنباط التنزیل:۸۲

(۳) ترمذی:۲/۳۹،ابو دائود:۲/۵۸۴

قیاس و استنباط

اسی طرح قرآن وحدیث ہی سے ایک اور دلیل بھی ثابت ہوتی ہے اس کو فقہا کرام کی زبان میں ''قیاس'' کہا جاتا ہے، اور اصولیین کی اصطلاح میں قیاس یہ ہے:

'' **هو الحاق واقعة لا نص على حكمها في الحكم الذى ورد به النص ،لتساوى الواقعتين في علة هذا الحكم** ''

(جس مسئلہ کا قرآن وحدیث میں منصوص حکم نہ ہو اس کو حکم کے اعتبار سے اس مسئلہ سے ملانا جس کا حکم منصوص ہے اس وجہ سے کہ دونوں مسئلوں اور واقعات کی علّت ایک ہے، لہٰذا منصوص مسئلہ کا حکم غیر منصوص کے لیے ثابت کیا جاتا ہے اس کو قیاس کہتے ہیں)۔(۱)

مثال کے طور پر ایک شخص جمعہ کے دن، جمعہ کی اذان کے بعد اسکول میں بچوں کو پڑھاتا ہے، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس بارے میں قرآن وحدیث میں کوئی منصوص حکم نہیں ہے؛ مگر فقہا کرام قیاس سے اس کو بھی ناجائز قرار دیتے ہیں جیسا کہ اذان جمعہ کے بعد تجارت ناجائز ہے، وجہ یہ ہے کہ قرآن میں اذان جمعہ کے بعد تجارت و بیع کو ممنوع قرار دیا گیا ہے؛ اور اس کی وجہ خطبۂ جمعہ و نماز جمعہ میں خلل کا اندیشہ ہے، لہٰذا یہ علّت اور وجہ جہاں بھی پائی جائے فقہا کرام وہ حکم بھی اس پر لگاتے ہیں جو اذان جمعہ کے بعد تجارت کا قرآن نے بیان کیا ہے، لہٰذا تعلیم و تعلم ہو یا اور کوئی کام جس سے کہ نماز جمعہ میں خلل کا اندیشہ ہے وہ ناجائز ہوگا۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا:

حضرات صحابہ پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد فرماتے تھے اور بعض

(۱) علم اصول الفقه للعلامه خلّاف:۵۲

احکام کو بعض پر قیاس کرتے تھے اور ایک نظیر سے دوسری نظیر پر اعتبار کرتے تھے، پھر متعدد مثالیں لکھ کر فرمایا کہ امام مُزنی (شافعی) نے کہا کہ فقہا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے دور سے لے کر آج تک برابر تمام فقہی احکام میں جو ان کے دین سے تعلق رکھتے ہیں قیاس کا استعمال کرتے آ رہے ہیں اور فرمایا کہ فقہا نے اس پر اجماع کیا ہے کہ حق کی نظیر حق اور باطل کی نظیر باطل ہوتی ہے، لہٰذا کسی کے لیے جائز نہیں کہ قیاس کا انکار کرے۔(۱)

قیاس کی حجیت قرآن و حدیث کے متعدد دلائل سے ثابت ہے، یہاں صرف ایک ایک دلیل پر اکتفاء کرتا ہوں، ایک جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا أَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ أَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ أُولِی الْأَمْرِ مِنْکُمْ،فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِی شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الآخِرِ ،ذٰلِکَ خَیر وَّأَحْسَنُ تَأوِیلاً. ﴾

اس سے معلوم ہوا کہ جن مسائل و معاملات میں اللہ و رسول کا صریح حکم نہیں ہے ان میں اللہ ورسول کے بیان کردہ احکام میں غور وخوض کر کے حکم معلوم کیا جائے گا، اور یہی قیاس ہے۔

اور حدیث سے اس کی دلیل حضرت معاذ بن جبل رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کی حدیث ہے کہ جب ان کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یمن کی طرف قاضی بنا کر بھیجا تو پوچھا کہ اگر تمہارے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہو تو تم کیا کرو گے؟ تو حضرت معاذ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے فرمایا کہ میں کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اگر وہ

---

(۱) اعلام الموقعین:۱/۲۰۳-۲۰۵

مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملے تو؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر سنت رسول اللہ سے فیصلہ کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر سنت رسول میں بھی وہ مسئلہ نہ ملے تو کیا کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر میں میری رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کمی نہ کروں گا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے سینے پر مارا اور فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اس کا رسول راضی ہے، علاّمہ ابن القیم رحمۃ اللہ اس حدیث کی صحت کی طرف مائل ہیں۔ (۱)

غرض یہ کہ جمہور علماء وائمہ کے نزدیک قرآن وحدیث کی روشنی میں قیاس مجتہد بھی ایک دلیل ہے جس سے قرآن وحدیث میں پوشیدہ ومخفی حکم ظاہر ہوتا ہے، یہ نہیں کہ قیاس کے ذریعہ احکام بنائے وتراشے جاتے ہیں۔ اسی لیے علما اصول نے لکھا ہے کہ (القیاس مُظهر لا مثبت) یعنی قیاس پوشیدہ احکام کو ظاہر کرتا ہے نہ کہ نئے احکام ثابت کرتا ہے۔ (۲)

یہ کل چار دلائل ہیں جو جمہور علماءِ اُمت کے نزدیک معمول بہا ومعتبر ہیں اور ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمهم الله، بل کہ دیگر ائمہ مجتہدین سب کے سب ان چاروں دلیلوں کو مانتے ہیں، سوائے اہل الظاہر کے (جن میں آج کل کے اہل حدیث حضرات بھی داخل ہیں) اور بعض فرقوں کے کوئی اس کا منکر نہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض کم فہم لوگ قیاس کا معنی یہ سمجھتے ہیں کہ ائمہ کرام محض اپنی عقل وفہم سے جو

(۱) دیکھو: اعلام الموقعین: ۱/۲۲

(۲) اصول البزدوی: ۲۴۹

مناسب خیال کرتے ہیں، اس کا حکم دیتے ہیں، حالاں کہ قیاس کے معنی یہ نہیں ہیں، اگر یہ معترض لوگ ''اصول فقہ'' کی کتابوں میں قیاس کی حقیقت وتعریف کھول کر پڑھتے تو شاید غلط فہمی سے محفوظ رہتے اور ائمہ کرام سے بدگمانی وبدزبانی میں مبتلا نہ ہوتے۔

پہلے یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ آئے دن مختلف واقعات وحوادث پیش آتے رہتے ہیں، اور عجیب وغریب مسائل وحالات سے ہم دوچار ہوتے رہتے ہیں، اور قرآن و حدیث میں ان نئے نئے احوال وحوادث کا صاف صاف کوئی حکم نہیں ملتا، اب ایسی صورت میں ایک راستہ تو یہ ہے کہ ہم یوں کہہ دیں کہ یہ احوال وحوادث شرعی والٰہی قانون وحکم سے آزاد وخارج ہیں، ان کا کوئی حکم نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ بات اسلام کے مکمل وکامل ہونے کے خلاف ہے، جس کا اعلان بڑی شد ومد کے ساتھ قرآن کریم نے فرمایا ہے اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں غور وفکر کر کے ان حالات وواقعات کی نظیروں کو تلاش کیا جائے اور ان نظائر پر ان نئے احوال وحوادث کو قیاس کر کے وہی حکم ان کے لیے بھی ثابت کیا جائے، اسی دوسرے طریقہ کا نام فقہا کی اصطلاح میں ''قیاس'' ہے اور جیسا کہ ظاہر ہے یہ عقلاً وعرفاً بھی پسندیدہ ہے اور اسلام کے کامل ومکمل ہونے سے زیادہ موافقت ومطابقت بھی رکھتا ہے۔

چناں چہ تمام فقہا کرام غیر منصوص مسائل میں قیاس سے کام لے کر ان کا شرعی حکم تلاش کرتے اور قرآن وحدیث میں مذکور نظائر وامثال سے ان کا حکم مستنبط کرتے ہیں۔

اس خاص مسئلہ اور واقعہ میں بہ ظاہر قرآن وحدیث ساکت ہیں، لیکن ایک دوسرے واقعہ سے اس کا حکم مستنبط کیا گیا ہے، اس کو قیاس کہتے ہیں اور حدیث میں بھی صراحتاً اس کی اجازت آئی ہے اور حضرات صحابہ بھی ایسے مسائل میں قیاس سے کام لیا کرتے تھے۔

کیا قیاس ممنوع ہے؟

ہوسکتا ہے کہ بعض حضرات کو یہاں یہ شبہ ہو کہ صحابہ کرام اور فقہا کرام سے ایسے اقوال ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں رائے سے کام لینا حرام ہے، تو پھر قیاس کیسے جائز ہوسکتا ہے؟

مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دین میں رائے سے بچو۔ نیز فرمایا کہ اصحاب الرائے سنتوں کے دشمن ہیں۔(۱)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فقہا چلے جائیں گے؛ تو پھر تم ان کے جانشین نہ پاؤ گے اور ایسے لوگ آئیں گے جو اپنی رائے سے قیاس کریں گے۔ نیز فرمایا کہ میری یہ رائے ہے، میری یہ رائے ہے کہنے سے بچو، کیوں کہ تم سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے وہ میری رائے میری رائے کہنے سے ہی ہلاک ہوئے۔ الخ (۲)

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے ''اعلام الموقعین'' میں اور علامہ ابن عبدالبر نے ''جامع بیان العلم'' میں متعدد حضرات صحابہ سے نیز علما و فقہا سے دین میں رائے کے استعمال کی مذمت و برائی نقل کی ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ اس سے مراد وہ رائے ہے جو قرآن و حدیث کے خلاف ہو، باقی غیر منصوص مسائل میں نظائر و امثال پر نظر کرتے ہوئے ان کا حکم مستنبط کرنا، یہ خود صحابہ سے اور فقہاء سے ثابت ہے جیسا کہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کے حوالہ سے اوپر عرض کر چکا ہوں، لہٰذا اس قسم کے اقوال سے حضرات فقہا پر خصوصاً فقہ حنفی کے ائمہ پر یہ اعتراض کرنا کہ یہ لوگ رائے

---

(۱) اعلام:۱/۵۵

(۲) اعلام الموقعین:۱/۵۷

اور قیاس کو دین میں داخل کرتے ہیں اور گنہ کا کام کرتے ہیں ، انتہائی غباوت اور جہالت کا کام ہے اور نہ صرف ائمہ پر بل کہ حضرات صحابہ پر بھی الزام و بہتان ہے۔

بہ ہر حال اجتہادی غیر منصوص مسائل میں قیاس سے کام لیا جاتا ہے اور یہاں بھی مجتہد ائمہ کرام کی آرا میں اختلاف ہوسکتا ہے کیوں کہ ایک امام و مجتہد نئے مسئلہ کے حل کے لیے قرآن و حدیث میں غور کر کے کسی بات کو اس کی نظیر سمجھتا ہے اور اس کا حکم بیان کرتا ہے، اور دوسرا مجتہد اسی مسئلہ کے لیے کسی بات کو اس کی نظیر خیال کر کے دوسرا حکم بیان کرتا ہے۔ مگر اس میں بھی کسی پر کوئی ملامت نہیں بل کہ ہر ایک اجتہاد کی رو سے لائق تعریف و توصیف اور مستحق اجر ہوتا ہے۔

مجتہد ہر حال میں مستحق اجر ہے

چناں چہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

(جس حاکم (یا مجتہد) نے اجتہاد کیا اور صواب کو پالیا تو اس کو دو اجر ہیں اور جس حاکم یا (مجتہد) نے خطا کی (یعنی نیک نیتی سے اجتہاد کے باوجود اس سے خطا ہوگئی) تو اس کو ایک اجر ہے)(۱)

اس حدیث میں حاکم و قاضی کے لیے ہر صورت میں اجر کا وعدہ و بشارت ہے۔

صواب کو پہنچ جانے کی صورت میں دُہرے اجر کا، اور خطا ہو جانے کی صورت میں ایک اجر کا، اور یہی حکم مجتہد امام کا بھی ہے چناں چہ جمہورِ علماء نے اسی حدیث سے مجتہد کے لیے ہر صورت میں اجر ملنے کا حکم اخذ کیا ہے۔

الغرض! جو عالم قوتِ اجتہادیہ رکھتا ہے، وہ اپنے اجتہاد میں ہر صورت میں ماجور و مستحق ثواب ہے لہٰذا کسی پر ملامت و مذمت کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

---

(۱) البخاری:۲/۱۰۹۲، المسلم:۲/۷۶، الترمذی:۱/۲۴۷، ابو داؤد:۲/۵۰۳، النسائی:۲/۳۰۳

فقہ کیا ہے؟

پس ان چاروں دلائل کی روشنی میں ظاہری عبادات جیسے نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ، قربانی، نیز طہارت اور معاملات ومعاشرات وغیرہ سے متعلق شرعی احکام کا مجموعہ فقہ کہلاتا ہے۔علامہ عبدالوہاب الخلاف اپنی کتاب لاجواب ''علم اصول الفقہ'' میں فقہ کی تعریف وحقیقت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''فقہ بنتا ہے ان شرعی احکام کے مجموعہ سے جن کا تعلق انسان سے صادر ہونے والے اقوال وافعال سے ہو اور وہ احکام یا تو قرآن وحدیث کی نصوص سے مستفاد ہوتے ہیں یا دیگر دلائل شرعیہ سے مستنبط ہوتے ہیں۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ فقہ دراصل قرآنی وحدیثی نصوص اور اجماعی وقیاسی اصول کی روشنی میں مرتب احکام کا مجموعہ ہے،قرآن سے نکلے ہوئے احکام بھی اس میں ہیں اور احادیث سے مستنبط احکام بھی اس میں ہیں؛ نیز اجماعی مسائل بھی اس میں ہیں اور وہ احکام بھی اس میں ہیں جو قیاس کے ذریعہ مجتہدین نے اخذ واستنباط فرمائے ہیں۔

فقہ،قرآن وحدیث ہی کا ثمرہ ہے

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ فقہ درحقیقت قرآن وحدیث ہی کا ثمرہ اور پھل ہے کیوں کہ یہ یا تو قرآن وحدیث کے احکام منصوصہ ومستنبطہ کا مجموعہ ہے یا اجماعی وقیاسی احکام کا مجموعہ ہے-- جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا-- اور یہ معلوم ہو چکا کہ

(۱) علم اصول الفقہ:۱۱

اجماع و قیاس بھی قرآن و حدیث کے حکم کے موافق دلائل شرعیہ میں داخل ہیں، لہٰذا جب فقہ ان چار دلائل سے حاصل شدہ احکام کا مجموعہ ہے تو وہ دراصل قرآن و حدیث ہی کا ثمرہ و پھل اور خلاصہ ولب لباب ہے۔

فقہ کو قرآن و حدیث کے خلاف سمجھنا یا ان سے ہٹی ہوئی یا زائد چیز سمجھنا انتہا درجہ کی کوتاہ نظری اور سطحیت پسندی کا نتیجہ ہے یا تعصب و ناانصافی کا کرشمہ، ورنہ حق پسند و انصاف پسند صاف محسوس کرے گا کہ فقہا کرام کی کوششوں کے نتیجہ میں تیار ہونے والا فقہ کا یہ عظیم ذخیرہ دلائل شرعیہ ہی سے حاصل کردہ ہے اور اس کا انکار در اصل قرآن و حدیث کا انکار ہے۔

شریعت میں تفقہ کا مقام

اس اجمال کے بعد ہم اس کی تفصیل اور تحقیق میں جانا چاہتے ہیں تا کہ بات کھل کر سامنے آجائے۔

''فقہ'' کا لفظ عربی زبان میں جاننے اور سمجھنے کے معنی میں آتا ہے بعد میں اس کا استعمال زیادہ تر علم دین کے معنی میں ہونے لگا کیوں کہ علم دین کو عام علوم پر سیادت و شرافت حاصل ہے۔ نیز علما نے فرمایا کہ فقہ اصل میں فہم و سمجھ کو کہتے ہیں۔ چناں چہ کہا جاتا ہے کہ فلاں کو دین میں فقہ عطا ہوئی یعنی دین کی سمجھ عطا کی گئی۔ (۱)

حدیث میں ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ﴿ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ. ﴾ یعنی اللہ تعالے جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی سمجھ (فقہ) عطا فرماتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) لِسان العرب، مادہ ''فقہ'' جلد:۱۳/۵۲۲

(۲) مشکوۃ:۳۲

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ﴿ فَقِيهٌ وَاحِدٌ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ اَلْفِ عاَ بِدٍ﴾ یعنی ایک فقیہ (دین کی سمجھ رکھنے والا) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ (۱)

اور بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ سونے چاندی کے کان کی طرح ہیں؛ جو ان میں زمانۂ جاہلیت میں (کریم الاخلاق ہونے کی وجہ سے) اچھے اور بہتر تھے وہ لوگ اسلام میں (یعنی اسلام لانے کے بعد) بھی بہترین لوگ ہیں جب کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کرلیں۔ (۲)

ان احادیث میں تفقہ و فقاہت (یعنی دین کی سمجھ) کی تعریف و اہمیت بیان ہوئی ہے۔ پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں فقاہت اس کو دی جاتی ہے، جس کے ساتھ اللہ تعالے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں۔ علامہ عبیداللہ مبارک پوری مشہور اہل حدیث عالم اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔

> ''فقہ اصل میں فہم کو کہتے ہیں، کہا جاتا ہے ''فَقِه الرجل'' (ق پر زیر کے ساتھ) جب کہ آدمی جان لے اور سمجھ جائے اور فَقُہ (ق پر پیش کے ساتھ) اس وقت بولتے ہیں جب کہ عالم و فقیہ ہو جائے اور عرف نے فقہ کو عملی احکام شرعیہ کے ساتھ خاص کر دیا ہے اور اس حدیث میں اس کو لغوی معنی پر محمول کرنا اولیٰ ہے تا کہ علوم دین میں سے ہر علم کی سمجھ کو شامل ہو جائے۔ (۳)

---

(۱) الترمذی:۲/۹۷، مشکوۃ:۳۴

(۲) مسلم شریف:۲/۳۰۷، البخاري:۲/۴۹۲، مشکوۃ:۳۲، دارمی:۱۸، ۵۲

(۳) مرعاۃالمفاتیح: ۱/۳۰۴

دوسری حدیث جس میں فرمایا کہ ایک فقیہ، شیطان پر ہزار عابدوں سے بھاری ہے یہ اگر چہ سندِ ضعیف سے آئی ہے مگر چون کہ اس کی متعدد سندیں ہیں لہٰذا ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں۔ (۱)

اس حدیث سے بھی فقہ اور دین کی سمجھ کی فضیلت و عظمت معلوم ہوتی ہے، یہاں یہ باریک نکتہ فراموش نہ کرنا چاہئے، کہ اس حدیث میں جو عابد کا ذکر ہے اس سے مراد دین کے علم سے بالکل عاری اور جاہل نہیں ہے، کیوں کہ عبادت کرنے والا بھی کچھ نہ کچھ دین کا علم رکھتا ہے، جیسا کہ عوام الناس عبادت کرتے ہیں تو اس کے فرائض وواجبات، سنن وآداب جانتے ہیں تب ہی تو وہ عابد ہوگا، بالکل نرا جاہل جسے دین کا کچھ بھی علم نہ ہو وہ درحقیقت عابد بھی نہیں ہوسکتا، اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس حدیث کے اوپر غور فرمایئے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام دین کا علم رکھتے ہوئے عبادت کرنے والے ہزاروں عابدوں پر فقیہ کو مقدم فرمارہے ہیں اور شیطان پر بہ مقابلہ ہزار عابدوں کے اس کو بھاری فرمارہے ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہاں فقیہ سے مراد دین کا تھوڑا بہت علم رکھنے والا نہیں ہے، کیوں کہ ایسا علم تو عابد کو بھی حاصل ہے؛ بل کہ فقیہ سے مراد وہ ہے جس کو دین کی سمجھ وفہم اور شریعت کے نصوص و دلائل اور ان دلائل کے استعمال کے مواقع کی مہارت دی گئی ہو، یا وہ عالم مراد ہے جو احکام دین سے اور ان کی تفاصیل سے واقف کار ہو۔ (۲)

اسی طرح تیسری حدیث سے واضح ہوا، کہ جو لوگ شریف الذات وکریم الاخلاق ہوتے ہیں وہ اسلام لانے کے بعد بھی بہترین لوگ ہوتے ہیں، جب کہ وہ دین کی

(۱) المقاصد الحسنة:۳۹۶، مرعاة المفاتیح:۱/۳۲

(۲) مرعاة المفاتیح:۱/۳۲۱

سمجھ حاصل کر لیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اشارہ ہے اس بات کی طرف، کہ اسلامی شرافت و بزرگی کی تکمیل صرف تفقہ فی الدین سے ہوتی ہے۔ (۱)

غرض یہ کہ فقہ یعنی دین کی سمجھ بوجھ اور دلائل شرعیہ ونصوص شرعیہ کو تحقیق و تفصیل سے جان کر، ان کا اپنے موقعہ ومحل میں استعمال؛ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نعمت اور اسلامی شرافت و عظمت کے لیے ایک ضروری امر ہے، اس کے بغیر نہ دلائل ونصوص کو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ان کا برموقعہ وبرمحل استعمال ہو سکتا ہے۔ اس سے فقہ و تفقہ کی حیثیت اور اس کا اسلام میں مرتبہ ومقام واضح طور پر معلوم ہو گیا۔

لفظ فقہ کا مأخذ حدیث ہے

اوپر پیش کردہ احادیث سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ فقہا وعلما کے کلام میں جو "فِقہ" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ من گھڑت نہیں ہے بل کہ حدیث سے مأخوذ ہے اور میرے نزدیک اس سے بھی زیادہ واضح مأخذ لفظ فقہ کا یہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَاَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ اِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ﴾

(اللہ تعالیٰ اس بندہ کو تر وتازہ رکھے؛ جس نے میری بات سنی پھر اس کو یاد کیا اور یاد رکھا، پھر اس کو دوسروں تک پہنچایا، کیوں کہ بعض حامل فقہ (یعنی حدیث یاد رکھنے والے) فقیہ نہیں ہوتے اور بعض حامل فقہ

(۱) فتح الباري: ۵۲/۲

اس شخص تک پہنچادیتے ہیں جو اس سے زیادہ فقیہ ہوتا ہے۔(۱)

اس حدیث میں حامل فقہ اس شخص کو کہا گیا ہے جو نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم کی بات کو سنا اور یاد کیا ہوا ہو،تو فقہ کا لفظ حدیث یا قرآن و حدیث دونوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے،اس سے معلوم ہوا کہ فقہ کا لفظ قرآن و حدیث کے علم کے لیے خود زبان رسالت سے صادر ہوا ہے اور فقہا اسی کی اتباع میں قرآن و حدیث سے مستنبط احکام وعلوم کو فقہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

محدث اور فقیہ کا فرق

اوپر پیش کردہ حدیث (رب حامل فقه غير فقيه الخ) سے محدث اور فقیہ کی ذمہ داری اور ان کے منصب کا فرق بھی معلوم ہو گیا،وہ یہ کہ محدث کا کام یہ ہے کہ حدیث کے یاد کرنے یاد رکھنے اور دوسروں تک من وعن (کما سمع) پہنچانے کا اہتمام وفکر کرے،اور فقیہ کا کام اور اس کا منصب یہ ہے کہ وہ حدیث کے الفاظ کے معنی پر اس کے سیاق وسباق پر،اس کے مقصد ومنشا پر،اس کی علّت وحکمت پر غور وفکر کرے۔ظاہر ہے کہ یہ تفقہ کا کام ہر ایک کے بس کا نہیں،ہر کس و ناکس اگر تفقہ کا حامل ہوتا تو اللہ کے رسول صَلَّی اللہُ عَلَیہِ وَسَلَّم یہ کیسے ارشاد فرما سکتے ہیں کہ ”بعض حامل فقہ (حدیث) غیر فقیہ ہوتے ہیں؟ غرض حدیث کا یاد رکھنا اور اس کی روایت کرنا محدث کا کام ہے،اور حدیث کی توضیح وتشریح کرنا اور اس کے منشا کو معلوم کرکے اس کے احکام کا استنباط کرنا فقیہ و مجتہد کا کام ہے،لہٰذا جس طرح اُمت کو مجتہدین کی ضرورت ہے،اسی طرح اُمت حضرات فقہا کرام کی بھی محتاج ہے،اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ ہم کو امام بخاری،امام مسلم،امام ترمذی،امام ابوداوٗد،وغیرہ محدثین کی

(۱) مشکوۃ:۳۵،مسند شافعی:۸۲،الترمذی:۲/۹۴،ابو دائود:۲/۵۱۵،دارمی:۵۳۱

اس لیے ضرورت ہے کہ ان کے ذریعہ ہم تک نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی احادیث محفوظ طریقہ پر پہنچیں ، تو اس کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ ہم کو ان احادیث کی تشریح و تفہیم اور ان کے منشا و مقصد کی تبیین و تحقیق اور ان سے نکلنے والے احکام کے استنباط و استخراج کے لیے امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل، امام سفیان ثوری، امام ابن مبارک، امام محمد و امام ابو یوسف رحمہم اللہ جیسے فقہاء و علماء کی بھی ضرورت ہے۔

اس تفصیل سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جو کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث جب ہمارے سامنے ہیں تو ہم کو کسی فقیہ و مجتہد کی کیا ضرورت ہے؟ ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا یہ سوال و اعتراض نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی مذکورہ حدیث پر واقع ہوتا ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ حدیث کو دوسروں تک پہنچادو کیوں کہ بعض حدیث کے حامل لوگ غیر فقیہ ہوتے ہیں؟ اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تو فرمائیں کہ ہر کوئی حدیث کو سمجھ نہیں سکتا سب کے سب فقیہ نہیں ہوتے اور یہ لوگ اس کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ ہم کو کسی فقیہ کی ضرورت نہیں ہم خود سب سمجھ جائیں گے۔ فیاللعجب!

عدم تفقہ کے مضحکہ خیز نتائج

جو لوگ فقیہ نہیں ہوتے وہ جب قرآن و حدیث پڑھتے ہیں اور اپنی ناسمجھی سے ان کے مطالب و معانی اخذ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں تو ان سے جو غلطیاں ہوتی ہیں اور قرآن و حدیث کے منشاء کے خلاف جو مفہوم و معنی وہ نکالتے ہیں ان کے مضحکہ خیز نتائج بھی سن لیجئے:

(۱) حدیث میں ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے منع فرمایا اس بات سے کہ آدمی اپنے پانی سے دوسرے کی کھیتی کو سیراب کرے۔

اس حدیث کو ایک نرے محدث نے طلبہ کے سامنے بیان کیا تو ان میں سے کچھ لوگ کہنے لگے، کہ ہم نے بسا اوقات ایسا کیا ہے کہ جب ہمارے باغ میں پانی زیادہ ہوگیا تو ہم نے اپنے پڑوسی کے باغ میں یا کھیت میں چھوڑ دیا۔ اب ہم اس فعل سے استغفار کرتے ہیں، حالاں کہ حدیث بالا کا مطلب یہ ہے کہ حاملہ باندیوں سے جماع نہ کیا جائے۔ مگر اس کو عدم تفقہ کی وجہ سے نہ سنانے والا سمجھا نہ سننے والے سمجھے۔ (۱)

دیکھئے ظاہر الفاظ سے کس طرح دھوکہ کھالیا، اگر فقہ اور تفقہ سے ان بے چاروں کو حصہ ملا ہوتا تو ایسی فاش غلطی نہ کرتے۔

(۲) ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے منع فرمایا اس بات سے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے حلقہ بنائیں (یعنی حلقے بنا کر مسجد میں بیٹھیں)

علاّمہ خطابی رَحِمَہُ اللّٰہُ فرماتے ہیں کہ ایک محدث نے حدیث کے لفظ (نھی عن الحِلَق) کو حلق یعنی سر منڈوانا سمجھ کر، چالیس سال تک جمعہ سے پہلے سر منڈوانے سے پرہیز کیا؛ حالاں کہ یہ لفظ حَلَق نہیں؛ بل کہ حِلَق ہے، جس کے معنی ہیں 'حلقے'۔ (۲)

(۳) امام حاکم رَحِمَہُ اللّٰہُ نے لکھا ہے کہ محمد بن علی واعظ تھے۔ انہوں نے حدیث پڑھی کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

(زَرْعُناَ تَزْدَادُ حِناً)

(ہم نے کھیتی کی تو سب کی سب مہندی بن گئی۔)

لوگ حیران ہوئے کہ اس کا کیا مطلب ہوا؟ اس پر ان واعظ نے ایک لمبا قصہ

(۱) تلبیس ابلیس علامہ ابن الجوزی:۱٦٦

(۲) ایضاً:۱٦٦

سنایا، کہ کسی جگہ کے لوگ اپنی پیداوار کی زکاۃ (عشر) نہیں دیتے تھے اور نہ صدقہ نکالتے تھے۔ لہٰذا ان کی کھیتی حِنا یعنی مہندی کا درخت بن گئی اسی قول کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقل کیا ہے۔ مگر معلوم ہے کہ یہ کس حدیث کا حشر واعظ شیریں بیاں نے کیا ہے سیوطی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ مشہور حدیث ﴿ زُرْ غِبّاً تَزْدَدْ حُبّاً ﴾ (ناغہ کر کے ملاقات کر، محبت بڑھے گی) کا حشر ہے۔ (۱)

(۴) حاکم وغیرہ نے لکھا ہے کہ فقیہ ابو منصور بن محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں یمن میں تھا، وہاں ایک اعرابی ہم سے مذاکرہ کرنے لگا اس نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے تو اپنے سامنے بکری کو کھڑا کر لیتے تھے، میں نے انکار کیا کہ ایسا نہیں ہے، تو وہ ایک کتاب اٹھا لایا اور اس میں حدیث دکھائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو اپنے سامنے عَنْزۃ رکھ لیتے تھے اور کہنے لگا کہ دیکھو یہ حدیث ہے۔ فقیہ ابو منصور فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ تم نے خطا کی یہ "عَنْزۃ" (ن پر جزم کے ساتھ) نہیں ہے؛ بل کہ عَنَزہ (ن پر زبر کے ساتھ ہے) جس کے معنی لکڑی وعصا کے ہیں۔ (۲)

(۵) اس سے بھی عجیب وہ لطیفہ ہے جس میں ہے کہ ایک محدث صاحب نے یہ معمول بنا لیا تھا کہ جب بھی استنجاء کرتے تو وتر پڑھتے، جب ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ جو تم میں سے استنجاء کرے "فَلْیُوتِر" (وتر پڑھے) حالاں کہ یہاں وتر کے معنی ہیں کہ استنجاء میں طاق عدد (تین، پانچ، سات) ڈھیلے لیا کرے۔ دیکھئے کہ فقہ نہ ہونے کے سبب کس قدر مضحکہ خیز مطلب نکال لیا۔

(۱) معرفۃ علوم الحدیث:۱۸۴، تدریب الراوی:۲/۱۱

(۲) ایضاً

(۶) علامہ داؤد ظاہری جو بڑے عالم ہیں، مگر نصوص کے ظاہر پر جمود میں شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے فقہ وتفقہ کی رعایت نہ کرکے بڑے عجیب مسائل بیان کئے ہیں، مثلاً حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔ (۱)

داؤد ظاہری فرماتے ہیں کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے اور اس سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے۔ لیکن پاخانہ کرنا یا برتن میں پیشاب کرکے پانی میں ڈال دینا جائز ہے اور اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔ علامہ نووی رحمہ اللہ نے ان کا یہ مسلک ذکر کرکے فرمایا کہ یہ مسئلہ ان کے جمود علی الظاہر کی بدترین مثال ہے۔ (۲)

یہ چند مثالیں اس لیے پیش کی گئیں کہ ان سے یہ واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے کہ فقہ وتفقہ کے بغیر قرآن ہو یا حدیث کسی کا بھی سمجھنا مضحکہ خیز غلطی کا ارتکاب کرادیتا ہے۔

محدّث بھی فقیہ کا محتاج ہے

اسی وجہ سے محدث بھی فہم نصوص میں فقیہ کا محتاج ہے؛ جس طرح فقیہ روایت و حفاظتِ حدیث کے لحاظ سے محدث کا محتاج ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام اعمش رحمہ اللہ کے پاس تھے، امام اعمش سے کسی صاحب نے کوئی مسئلہ دریافت کیا مگر آپ نے جواب نہیں دیا، پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ آپ اس بارے میں جواب دیجئے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ کا جواب دیا۔ امام اعمش نے پوچھا کہ یہ جواب آپ نے کس دلیل سے دیا ہے؟ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے جو آپ نے ہم سے بیان کی (پھر وہ حدیث بیان کی) یہ سن کر امام اعمش نے فرمایا کہ (نحن الصيادلة وانتم الاطباء) یعنی ہم (محدثین) تو دوا فروش

---

(۱) البخاري: ۲۳۲، مسلم: ۴۲۴

(۲) شرح مسلم: ۱/۱۳

ہیں اور تم (فقہا) طبیب وڈاکٹر ہو۔ (۱)

یعنی جس طرح دوا فروش مختلف دوائیاں رکھے ہوئے ہوتا ہے مگر کس دوا کا کیا اثر اور خاصیت ہے اور کس بیماری کے لیے مفید ہے، اس کا علم اس کو نہیں ہوتا اور ڈاکٹر کو ان باتوں کا علم ہوتا ہے۔ اسی طرح محدث حدیث کا ذخیرہ جمع کر لیتا ہے مگر کس حدیث میں کس روحانی مرض کی کیا دوا ہے اور کس حدیث سے کیا مسئلہ مستنبط ہو رہا ہے اور کس موقعہ اور محل کا کیا حکم ہے یہ فقیہ جانتا ہے۔ یاد رہے امام اعمش رحمۃ اللہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے استاذ ہیں۔

اسی طرح کا واقعہ امام اعمش رحمۃ اللہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ کے مابین بھی پیش آیا تھا، جب امام ابو یوسف نے مسئلہ کا جواب دیا تو امام اعمش نے پوچھا کہ یہ بات آپ نے کہاں سے کہی؟ ابو یوسفؒ نے جواب دیا کہ اس حدیث سے جو آپ نے ہی مجھ سے بیان فرمائی تھی پھر وہ حدیث بیان کی تو امام اعمش نے فرمایا کہ یہ حدیث مجھے اس وقت سے یاد ہے جب کہ تمہارے ماں باپ (رشتہ ازدواج میں) جمع بھی نہ ہوئے تھے مگر اس حدیث کا یہ معنی و مطلب آج تک مجھے معلوم نہ تھا۔ (۲)

دیکھ لیجئے! کہ امام اعمش رحمۃ اللہ استاذ حدیث ہیں اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ اور امام ابو یوسف دونوں ان کے شاگرد ہیں مگر فہم حدیث اور استنباطِ احکام میں وہ شاگردوں کے محتاج ہوئے اور خود انہوں نے اس کا کھلے طور پر اعتراف بھی کیا۔

فقہاء کرام کا مقام، ابن القیم رحمۃ اللہ کی زبانی

حضرات فقہا کا جو منصب و مقام ہے اس کو علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ نے بڑے

(۱) جامع بیان العلم:۲/۱۶۰

(۲) جامع بیان العلم:۲/۱۵۹